معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان

معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردُو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد سوم

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت

طباعت کمپیوٹرایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ از نبیِّ اُمّیِ پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں ——— جو "نبی اُمّی" سیدنا حضرت محمد

عربی (فداہٗ اُمّی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم

علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین

حصہ سوم

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اسلام بلکہ کسی بھی مذہب میں...... جس کو مذہب کہا جاسکتا ہو...... نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نبی اور رسول پر ہی ہدایت کا نزول ہوتا ہے، وہی بندوں کو اللہ کی ہدایت پہنچاتا ہے وہی اسکے اصولوں کی تشریح کرتا اور احکام کی عملی شکلیں بتاتا ہے پھر اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ضروری سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ اسلئے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی اور بنیادی ہے اور وہی انسانوں کیلئے ہدایت کا ماخذ ہے، اور اسی لئے اسپر ایمان لانا اور اسکو اللہ کا مقرر کیا ہوا راہنما ماننا نجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے...... ہمارے اس دور کیلئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن یعنی قیامت تک کے لئے اور پورے عالم انسانی کیلئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اب اللہ کی رضا اور اسکا قرب حاصل کرنے کے لئے راہ صرف وہی ہے جس کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی...... قرآن مجید میں خود آپ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ" (آل عمران ۳: ۳۱، ۳۲)

(اے پیغمبر ﷺ)! تم صاف صاف بتادو کہ اے لوگو اگر تم خدا کو چاہتے ہو اور اسکی رضا اور رحمت اور اسکے پیار کے طلبگار ہو تو اسکا راستہ صرف یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو صرف اسی طرح تم اسکی بخشش اور اسکے پیار سے حصہ پاسکو گے۔ اے رسول (ﷺ)! تم کہہ دو کہ اے لوگو اللہ اور اسکے رسول کی یعنی میری فرمانبرداری کرو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کی محبت اور اس کا پیار کبھی حاصل نہیں ہوگا نہ ماننے والوں کو۔

جب آپ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے نجات ہے اور رضائے الٰہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ یا تو آپ ﷺ کو اس دنیا کے خاتمہ تک زندہ رکھا جاتا تاکہ ہدایت اور راہنمائی کے لئے بہ نفس نفیس آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا جاسکتا یا آپ کی پوری تعلیم و ہدایت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس طرح محفوظ کر دیا جاتا کہ بعد میں آنے والے بھی پورے علمی اعتماد اور قلبی اطمینان کے ساتھ اسی طرح آپ ﷺ سے تعلیم ہدایت لے سکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و اطمینان کے ساتھ آپ کے زمانہ کے لوگ لیتے تھے۔

قیامت تک آپ کو باقی رکھنا حکمت الٰہی کے خلاف تھا اسلئے دوسرا بندوبست فرمایا گیا۔ آپ کی لائی ہوئی ہدایت کا ایک حصہ جو اساسی قانون اور بنیادی دستور کی حیثیت رکھتا ہے جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں یعنی قرآن مجید، اسکو تو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کرادیا۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسکا لفظ لفظ محفوظ ہے...... اسکے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق آپ کی تفصیلی ہدایات، آپ کے راہنما ارشادات وخطبات، آپ کے اعمال وافعال اور اخلاق وعادات گویا آپکی پوری زندگی جو دراصل قرآن مجید کی تشریح وتفسیر اور اسکی ہدایت وتعلیم کی عملی تصویر ہے، اسکو بھی اللہ تعالیٰ نے آپکی امت سے حدیث کی تدوین وحفاظت کا معجزانہ کام لیکر ایسا محفوظ کرادیا کہ قریباً چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی پوری پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ اسطرح موجود اور محفوظ ہے کہ گویا اپنی خصوصیات کے ساتھ آپ خود اس دنیا میں رونق افروز ہیں...... اگر کسی باتوفیق بندے کی حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو اور اسکو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمانی رابطہ بھی نصیب ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ گویا حدیث کے آئینے میں اسکی نظر کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کی عکسی تصویر ہے، وہ آپ کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہنستے بولتے نماز پڑھتے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے اللہ کے حضور دعا کرتے، اسمیں زار زار روتے اور اسمیں آنسو بہاتے، احرام باندھتے حج کرتے، حج میں طواف اور سعی کرتے، قربانی کرتے اور حلق کراتے، مسجد کے صحن میں نزاعات کا تصفیہ کرتے، مجرموں کیلئے سزاؤں کے احکام جاری فرماتے اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کی قیادت کرتے دیکھا ہوگا، اپنے دل کے کانوں سے آپکے ارشادات سنے گا۔ جلوت اور عام مجالس کے علاوہ خلوت کی آپکی ایسی بہت سی باتیں بھی اسکے علم میں آئیں گی جو اپنے قریب ترین عزیزوں دوستوں حتی کہ اپنے ماں باپ کو بھی وہ نہ جانتا ہوگا۔

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ اپنے ملک کے ایک مشہور ومعروف غیر مسلم فاضل سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی زندگی کے محفوظ ہونے ہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انکی بعض غلط فہمیوں اور عقلی الجھنوں کو دور کرنیکے لئے مجھے کہنا پڑا "میرے والد ماجد کا انتقال جس وقت ہوا اسوقت میری عمر قریباً پینتالیس سال کی تھی گویا میں فہم وشعور کے ساتھ قریباً چالیس سال اپنے والد ماجد کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کے ذریعے جتنا کچھ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جانتا ہوں اتنا اپنے والد ماجد کے بارے میں نہیں جانتا"۔ الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ یہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔

صحابہ کرامؓ جن کو دولت ایمان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق کی نسبت بھی تھی جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے تھے اور جو کچھ آپ ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اسکو یاد رکھتے تھے اور ذوق وشوق کے ساتھ اسکے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق ومحبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اسکو اپنی اہم ذمہ داری، بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے...... بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آپ ﷺ کے ارشادات خود آپکی اجازت سے قلمبند کرتے تھے۔ [1]

[1] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیثیں لکھا کرتے تھے اور مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں خود عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے اس بات....... (جاری ہے)

پھر جن لوگوں کو رسول اللہ کا زمانہ نصیب نہیں ہوا اور انھوں نے آپ کے فیض یافتہ صحابہ کرام کو پایا انہوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ انسے حاصل کیا۔ اس دور میں (یعنی دور تابعین میں) خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابہ کرام کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔ ❶

چنانچہ ابن شہاب زہری اور ہمام بن منبہ جیسے علماء تابعین نے اس کام کا آغاز کیا پھر انکے تلامذہ میں اسکا عام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالکؒ کی موطا آج تک متداول ہے، اسکے علاوہ جو بہت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعد سے تیار شدہ مجموعوں میں وہ پورا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

اس دور کے بعد امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد اور حافظ الحدیث حمیدی جیسے سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انھوں نے اس سلسلے میں وہ کام کیا جو انکی مرتب کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

انکے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ راویوں کی تنقید اور جرح تعدیل کا کام بھی خاص اہتمام سے ہوتا رہا، اور اسکے نتیجے میں چالیس ہزار سے زیادہ راویان حدیث کے حوالے سے متعلق اسماء الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اس کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا ابتدائی نمونہ امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، اور امام بخاری کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماء امت نے احادیث کے ان مجموعوں یا ان ہی سے مرتب ہونے والی دوسری مؤلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق انکی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ ابتک جاری ہے۔

ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم نظریات کی ترقی اور

(گذشتہ سے پیوستہ)
کی اجازت چاہی تھی اور آپ نے مجھے اس بات کی اجازت دی تھی۔
(حاشیہ صفحہ ہذا)

❶ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینے طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ... فاکتبه فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ...

اشاعت نے پوری انسانی دنیا کی طرز فکر اور علمی مزاج کو زیادہ متاثر کیا ہے، اسلئے تعلیمات محمدی ﷺ کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات وہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اس وقت جبکہ ان مغربی علوم وافکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی۔ انکی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیت کو سامنے رکھکر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اس لئے اسمیں دوسری شروح حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ "حجۃ اللہ البالغۃ" ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اسکی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسکی ایک خصوصیت یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اور بڑی اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اسکی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی واجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد ابواب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اسمیں بہت سی حدیثیں ان مسائل سے متعلق بھی ناظرین کرام پڑھیں گے جن میں فقہا کے مسالک مختلف ہیں، اس عاجز نے ان کی تشریح میں شاہ صاحبؒ ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق کچھ ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان و آخرت سے متعلق، اور دوسری تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کر کے پیش کی گئی تھیں، اس تیسری جلد میں اسلام کے پورے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اذکار و دعوات کے ابواب کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہو گئے اسلئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا، باقی حصہ انشاءاللہ چوتھی جلد میں پیش ہوگا، اندازہ یہ ہے کہ اسکی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اسکے تین سال بعد ۱۳۷۶ھ میں شائع ہو گئی تھی، یہ

تیسری جلد بعض خاص رکاوٹوں کی وجہ سے قریباً ۸ سال کے وقفے سے اب شائع ہو رہی ہے، لیکن اسکے بعد والی جلد کے بارے میں امید ہے کہ وہ انشاءاللہ آنے والے سال ہی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاسکے گی۔

طہارت چونکہ بہت سی عبادات کے لئے خاص کر نماز کیلئے شرط قرار دی گئی ہے، اسلئے عام محدثین کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں نماز اور دوسری عبادات کی حدیثوں سے پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اسی طریقے کی پیروی میں اس جلد میں بھی پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں درج کی گئی ہیں جن کی تعداد صرف ۷۰ ہے، اسکے بعد ابواب نماز کی حدیثیں ہیں جنکی تعداد ۳۵۱ ہے۔ ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے حدیث پر نظر اور دور حاضر کے علمی و دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں گے کہ ترجمہ اور تشریح سے قطع نظر انتخاب اور ترتیب کے بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔

اس سے پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی عظمت اور قدر و قیمت کو سمجھیں اور انکے اندر اسکے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نور اور روشنی سے وہ بھی حصہ لے سکیں جس سے آپ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعے صحابۂ کرامؓ کو حصہ ملا تھا، اسلئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے بچایا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا بس مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر حسب ضرورت اسکی روح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آمین اور رفع یدین جیسے اختلافی مسائل کے بارے میں ناظرین کو ذہنی انتشار اور پریشان دماغی سے بچانے کیلئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اسکی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔ اب انمیں جو صحیح اور صواب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جو غلط ہے وہ اس ناقص العلم کے علم و فہم کا قصور ہے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر "مشکوٰۃ المصابیح" سے لی گئی ہیں اور تخریج میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے نیز اسی کی پیروی میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ جو حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم سے لی گئی ہے وہ حدیث کی اگرچہ دوسری کتابوں میں بھی ہو لیکن حوالہ صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم ہی کا دیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان میں سے کسی ایک میں ہونا بھی اسکی صحت کی کافی ضمانت ہے۔ بعض حدیثیں "جمع الفوائد" سے بھی لی گئی ہیں اور چند کنز العمال سے بھی، لیکن انکے لئے کنز العمال کا حوالہ التزاماً دیا گیا ہے۔ بعض حدیثیں براہ راست صحاح کی کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہی حدیثیں ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ یا جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں لکھا جا چکا ہے چونکہ اس سلسلہ (معارف الحدیث) کا اصل مقصد دعوت اور تذکیر و تفہیم ہے اسلئے متن حدیث کے ترجمے میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ حدیث کے مقصد اور پیام کو واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے کسی حدیث کو مقدم یا مؤخر کیا گیا ہے۔

اپنے با توفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کیلئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کیلئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اسطرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاءاللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا — اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا! اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یکم رمضان ۱۳۸۴ھ ۵ جنوری ۱۹۶۵ء

معارِفُ الحدیث

جلد دوم —— حصہ سوم

کتاب الطہارت

کتاب الطہارت

طہارت وپاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام

اسلام میں طہارت وپاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوتِ قرآن اور طوافِ کعبہ جیسی عبادات کے لئے لازمی شرط ہے، بلکہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے۔ قرآن مجید کی آیت "إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ" ❶ (اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک وصاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

اور قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد "فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ" ❷ (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک وصاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے)۔ صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت وپاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے پہلے ہی نمبر پر صحیح مسلم کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کے پہلے فقرے "الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ" کا گویا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ طہارت وپاکیزگی اسلام کا ایک حکم ہی نہیں بلکہ وہ دین وایمان کا ایک اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اسکو "نصف ایمان" فرمایا گیا۔ ہمارے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ایک نفیس تحقیق قابل ذکر ہے، اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح وسعادت جس شاہراہ کی طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اسکے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سینکڑوں احکام ہیں لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آتے ہیں [1] طہارت [2] اخبات [3] سماحت [4] عدالت ❸۔

پھر شاہ صاحب نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ بلا شبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔ یہاں ہم شاہ صاحب کے کلام کے صرف اس حصے کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اسکو پیشاب یا پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض وتکدر اور گرانی وبے لطفی

❶ بقرہ ۲:۲۲۲ ❷ توبہ ۹:۱۰۸ ❸ باب الاصول التي يرجع اليها تحصيل الطريقة الثانية ملخصا

اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کا جو سخت تقاضا تھا اس سے وہ فارغ ہو جاتا ہے اور اچھی طرح استنجا اور طہارت کر لیتا ہے یا اگر وہ جماع سے فارغ ہوا تھا تو غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور سرور و فرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ بس دراصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام (ناپاکی) اور دوسری کا نام (پاکی و پاکیزگی) ہے، اور انسانوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے تقاضے سے کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو (یعنی کی حالت کو) پسند کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملاء اعلیٰ یعنی کی حالت سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے کیونکہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے پاک و صاف اور نورانی کیفیات سے شاداں و فرحاں رہتے ہیں اور اسی لئے حسب امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور الہامات و منامات کے ذریعے ملاء اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جب آدمی حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اسکو شیاطین سے ایک مناسبت و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے"۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدث دراصل انسانی روح اور طبیعت کی مذکورہ بالا دو حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدث یا ناپاکی اور طہارت یا پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب و موجبات ہیں اور شریعت ان ہی اسباب پر احکام جاری کرتی ہے اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

امید ہے کہ طہارت کی حقیقت اور روح انسانی کیلئے اسکی ضرورت و اہمیت سمجھنے کے لئے شاہ صاحب کا یہ کلام انشاءاللہ کافی ہو گا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طہارت و پاکیزگی شریعت کا پورا چوتھائی حصہ ہے۔

پھر اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر جہاں طہارت کے احکام اور انکے اسرار ہی کا بیان ہے فرماتے ہیں: طہارت کی تین قسمیں ہیں، ایک حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب یا مستحب ہے۔ ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا۔ دوسرے ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم یا اپنے کپڑوں کو یا جگہ کو پاک کرنا۔ تیسرے جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل و کچیل پیدا ہوتا رہتا ہے اسکی صفائی کرنا (جیسے دانتوں کی صفائی ناک کے نتھنوں کی صفائی، ناخن اور زیر ناف بالوں کی صفائی) آگے طہارت کے متعلق جو حدیثیں درج ہونگی ان میں سے بعض کا تعلق مطلق طہارت سے ہو گا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے، اور بعض کا تعلق کسی ایک خاص قسم سے ہو گا...... اس تمہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے متعلق حدیثیں پڑھئے:

طہارت جزو ایمان ہے

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَّالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا. (رواہ مسلم)

ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طہارت وپاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں آسمان کو اور زمین کو، اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل وبرہان ہے اور صبر اجالا ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اسکو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ ﷺ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں اس کا صرف پہلا جزو اور پہلا فقرہ (الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطہارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "الطهور نصف الايمان"[1] ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر و نصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت وپاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اسکا اہم شعبہ اور حصہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت وپاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تمہید کا اجر و ثواب اور اسکی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اسکی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اس بات سے پاک اور برتر ہے جو اسکی شان الوہیت کے مناسب نہ ہو اور تحمید یعنی الحمد للہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد وثناء کی جا سکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہے اور اسلئے بس ساری حمد وستائش بس اسی کے لئے ہے یہی تسبیح وحمد حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود ان ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے نحن نسبح بحمدك (خداوندا! ہم تیری حمد وتسبیح میں مصروف رہتے ہیں)۔

پس انسانوں کے لئے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم

---

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۹۰ ج ۲

کے خالق و پروردگار کی تسبیح کریں رسول اللہ نے اسی ترغیب کے لئے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

"سبحان اللہ" سے میزان اعمال کا بھر جانا اور "سبحان اللہ والحمد للہ" سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا یہ ان حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حاسہ یہاں ہم کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرما دیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، انکا یقین کریں اور ان سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وہ نور ہے" اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اسطرح ہوتا ہے کہ اسکی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر" (بلا شبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نمازی کی اس نورانیت کا ظہور اسطرح ہوگا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "نورہم یسعیٰ بین ایدیہم وبایمانہم" (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب انکے اعمال کا نور دوڑتا ہوگا)

اس کے بعد رسول اللہ نے صدقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے اس دنیا میں صدقے کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مؤمن و مسلم ہے۔ اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے [illegible] اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندے کے صدقے کو اسکے ایمان اور اسکی خدا پرستی اور نشانی مان کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ نے صبر کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ "ضیاء" یعنی روشنی اور اجالا ہے بعض حضرات نے نماز اور صدقہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے مراد روزہ لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصل وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ میں تلخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا" اس لحاظ سے صبر گویا پوری دینی زندگی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد اور انکے علاوہ اللہ کے لئے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا، سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ صبر "ضیاء" ہے قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو "ضیاء" فرمایا گیا ہے (ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا) اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی

روشنیوں میں نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل یا تمہارے خلاف!..... مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسکا ہدایت نامہ ہے، اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت و احترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہئے تو وہ تمہارے لئے شاہد و دلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اسکے برخلاف ہوگا تو پھر اسکی شہادت تمہارے خلاف ہوگی۔

ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا کرتا ہے، پھر یا تو وہ اسکو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے، اگر وہ اللہ کی بندگی اور رضا طلبی والی زندگی گزار رہا ہے تو اپنی ذات کیلئے بڑی اچھی کمائی کر رہا ہے اور اسکی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے اور اگر اسکے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاکی سے عذاب قبر

۲. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ) مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَفِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں انپر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے ہیں جس سے بچنا کچھ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ یا پاک رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ چغلیاں لگاتا پھرتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اسکو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ نے کس مقصد سے کیا آپؐ نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ ([illegible])

تشریح..... عذاب قبر کے بارے میں اصولی بحث اس سلسلے کی پہلی جلد میں کی جاچکی ہے اور وہیں وہ حدیثیں

بھی ذکر کی جاچکی ہیں جن میں صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی چیخ و پکار کو آس پاس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے لیکن جن وانس عام طور سے نہیں سنتے اور وہیں اسکی حکمت بھی تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کی جاچکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ ﷺ کے مطلع ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا ہے اور بہت سی ایسی آوازیں سنوادیتا ہے جن کو عام انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور انکے کان نہیں سنتے۔ بہر حال یہ بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافرانہ خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمائے گیا "❶ [illegible] مَهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ" (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ تورات میں چغلخوری کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔❷ اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا (لا [illegible] اور [illegible]) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی روایت میں اس واقعہ پر "لا [illegible]" بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اسمیں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے کہ جس کی سزا آدمی کو قبر میں بھگتنی پڑے گی۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبر پر گاڑ دیا۔ اور بعض صحابہؓ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی..... اسکی ایک توجیہ بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا نمی رہتی ہے اس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے..... گویا قرآن مجید کی آیت "[illegible]" کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اسکی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے..... بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپؐ نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اسلئے گاڑے کہ انکی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپؐ نے ان ٹکڑوں

❶ اور مت مانو اس شخص کی بات جو (جھوٹ بولنے میں بے باک) بے تحاشا قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور چغلخوری جس کا مشغلہ ہے۔ ❷ ذکرہ شیخ عبد الحق فی شرح المشکوۃ

کے خشک ہونے تک تخفیف کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بس یہی تھی۔ لیکن اکثر شارحین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ مہمل ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپؐ نے یہ کام اس نقطہ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ چیر کے آپؐ اس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ تو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپؐ ان قبروں پر کوئی پودا نصب کرادیتے جو برسہا برس تک ہرا رہتا۔ دوسری واضح دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کا منشاء اور نقطہ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب ایسا ہی کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرنے بلکہ درخت لگانے کا اس دور میں عام رواج ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بہر حال حضور کے اس عمل اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور پھر اس توجیہ پر بزرگان دین کے مزارات پر ہار پھول چڑھانے کی مشرکانہ رسم کا جواز نکالنا تو روح اسلام پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہ کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ان مردوں کے لئے تخفیف عذاب کیلئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا کہ آپ اسطرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑھ دیجئے۔ جب تک اس میں تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے اور وہ دوسرا واقعہ ہے وہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضور نے مجھے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال آؤ! حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور جب آپ سے اسکی بابت میں نے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف عذاب کی استدعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اتنی بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ بہر حال حضرت جابرؓ کی اس روایت سے یہ بات صراحۃً معلوم ہو گئی کہ ہری شاخوں کو یا انکی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپؐ کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کیلئے انکے عذاب میں تخفیف کر دیں گے۔ پس اصلی چیز تھی حضور کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی بنا پر ایک محدود مدت تک کیلئے تخفیف کا فیصلہ۔

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اسپر بھی گفتگو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہ نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑھے، مسلمانوں کی تھیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اسکو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، اسکا ایک واضح قرینہ خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ نے عذاب کا سبب چغل خوری کی عادت اور پیشاب کے معاملے میں بے احتیاطی اور لاپروائی بتایا ہے حالانکہ یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سب سے بڑا سبب انکا کفر اور شرک بتلایا جاتا۔ علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپؐ نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا، اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں کی

کا قبرستان ہے۔۔۔ بہر حال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کا خاص سبق اور اسکی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور چغلخوری جیسی منافقانہ اور مفسدانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔۔۔۔

قضاء حاجت اور استنجاء سے متعلق ہدایت

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا، وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ. (رواه ابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم لوگوں کے لئے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کیلئے (یعنی جسطرح اولاد کی خیر خواہی اور انکو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے اسلئے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اسکی طرف پشت (بلکہ اسطرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ)۔ (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) اور آپؐ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا اور منع فرمایا استنجے میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا اپنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔

(۴) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيْلَ لَهٗ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ (ﷺ) كُلَّ شَيْئٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ فَقَالَ اَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ.. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبرؐ نے تو تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی! حضرت سلمان نے ان سے کہا ہاں بیشک (انھوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انھوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں یا یہ کی ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم استنجا کریں (اونٹ گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے)۔

تشریح..... جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ نبیؑ برحق حضرت محمد ﷺ نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور شعبوں میں

ہدایات دی ہیں اسی طرح پاخانہ و پیشاب اور طہارت و استنجا کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست......

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایات اس باب میں دی ہیں وہ چار ہیں۔

ایک یہ کہ پاخانہ کیلئے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلے کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ۔ یہ قبلے کے ادب و احترام کا تقاضا ہے۔ ہر مہذب آدمی جس کو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا کچھ شعور و احساس ہو۔ پیشاب یا پاخانے کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بے ادبی اور گنوار پن سمجھتا ہے۔

دوسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور پر کھانے پینے، لکھنے پڑھنے، لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ صلاحیت اور خاص فوقیت بخشی ہے اسکو استنجے کی گندگی کی صفائی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور و احساس ہے، اپنے بچوں کو یہ بات سکھانی ضروری سمجھتا ہے۔

تیسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی ہے کہ استنجے میں صفائی کیلئے کم سے کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں، کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اسکو صفائی کیلئے تین سے زیادہ پتھروں یا ڈھیلوں کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔ یہ بھی محفوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجے کے لئے خاص پتھر کا ذکر اسلئے آتا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کیلئے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جا سکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو اسکا استعمال اس کام کیلئے نامناسب نہ ہو۔

چوتھی ہدایت آپ ﷺ نے اس سلسلے میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی ہڈی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجانہ کیا جائے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کر لیا کرتے تھے اسلئے رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرمادیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوار پن کی بات ہے۔

۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَیْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهُ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپؐ کو پانی لا کے دیتا تھا، پانی کے برتن تور میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپؐ اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپؐ وضو کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے ۔ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے استنجے اور وضو کیلئے پانی لا کر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی ۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ قضائے حاجت اور استنجے سے فارغ ہو کر وضو بھی فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ وضو کرنا صرف اولیٰ و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپ ﷺ نے اسکو ترک بھی کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ پیشاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کے لئے پانی لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عمر یہ کیا ہے، کس کیلئے پانی لئے کھڑے ہو؟" حضرت عمرؓ نے عرض کیا، آپ کے وضو کیلئے پانی لایا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسکے لئے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضرور ہی وضو کروں اور اگر میں پابندی اور مداومت کروں تو امت کیلئے ایک قانون اور دستور بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مسئلہ کی صحیح نوعیت اپنے عمل سے واضح کرنے کیلئے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کیلئے کبھی کبھی اولیٰ اور افضل کو ترک بھی فرمادیتے تھے۔

٦) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَ جَابِرٍ وَ اَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَ نَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ نَسْتَنْجِىْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ — (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے (اس مسجد میں نمازیں پڑھنے والے اور اسکو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کیلئے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا بس یہی بات

ہے، پس تم اسکو اپنے اوپر لازم کرلو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور ہاضمے کی درستی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی مینگنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اسلئے استنجے میں انکو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور پتھر کے استعمال پر اکتفا کر لیتے تھے لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید میں انکی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انکو ہدایت فرمائی کہ وہ اسکو اپنے اوپر لازم کرلیں...... اور خود آپکا طرز عمل تو یہ تھا ہی...... الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور طرز عمل نے امت مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال کافی ہو، تب بھی وہ پانی سے استنجا کرے اور ہاتھ کو مٹی وغیرہ سے مانجھے۔ پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّقُوا للاَعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللاَّعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سائے کی جگہ میں ایسا کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ کہ لوگ جس راستے پر چلتے ہوں یا سائے کی جگہ آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اسکو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہئے ...... اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے۔ جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اسکی وجہ سے لوگ وہاں آتے ہوں۔ اصل مقصد حضور ﷺ کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور انکے لئے باعث تکلیف نہ بنے۔

۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ اِنْطَلَقَ حَتّٰی لَا یَرَاهُ اَحَدٌ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ کو قضائے حاجت کے لئے باہر جانا ہوتا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپؐ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جو مادہ ودیعت رکھا ہے اسکا تقاضا ہے کہ

انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنے اس قسم کی بشری ضرورتیں اسطرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کیلئے اسکو دور سے دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا اور یہی آپؐ کی تعلیم تھی۔

۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ یَّبُوْلَ فَاَتٰی دَمِثًا فِیْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّبُوْلَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپؐ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ پیشاب کیلئے ایسی جگہ تلاش کر کے بیٹھنا چاہئے جہاں پردہ بھی ہو اور اپنے اوپر چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور رخ بھی غلط نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اسکے اس پاک پیغمبر ﷺ پر جس نے امت کو پیشاب پاخانے تک کے آداب سکھائے۔

۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ اَوْ یَتَوَضَّأُ فِیْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانے میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تشریح..... مطلب یہ کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں... اس آخری جملے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت سے ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کیلئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اسکا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہادینے سے اسکی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اسکا حکم یہ نہیں ہے۔

۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ جُحْرٍ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح ..... جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ یا بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں بہر حال رسول اللہ ﷺ نے (جو امت کے ہر طبقے کے لئے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دعا

۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ — (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ ..... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جاوے تو چاہئے کہ پہلے یہ دعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے۔

تشریح ..... جس طرح ملائکہ کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی اُن کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اُس کے بعد وہاں قدم رکھے ..... ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر و عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور ان کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا

۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ " غُفْرَانَكَ "

ترجمہ ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "غفرانک" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں)۔

تشریح ..... قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں،

ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجیہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے...... اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صحیح احساس رکھنے والے عارفین کے لئے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور اُن کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بارے اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی' پس رسول اللہ ﷺ جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو مذکورہ بالا احساس کیمطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلے کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

رہا یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور "لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر" کے قرآنی اعلان کے بعد بھی آپ اپنے گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے ان شاء اللہ آگے کتاب الصلاۃ میں تہجد کے بیان میں آئے گا۔

۱۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "الحمد لله الذي" الخ (اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی)۔ (سنن نسائی)

تشریح...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بیت الخلاء سے باہر آ کر "غفرانك" کہتے تھے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے یہ دوسری دعا معلوم ہوئی واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دعائیں موقع کے بہت مناسب اور برمحل ہیں، اس لئے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم

وضو اور اسکے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہ ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدث کی حالت میں...... یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے اُن کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک

طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدث یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالہ کے لئے وضو مقرر فرمایا ہے..... جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف روحانی احساسات کو فنا نہیں کر دیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہِ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں..... رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اُمت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اُسی طرح آپ نے اُس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ

١٥) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اس سے صرف اعضائے وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہوگی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوگی۔

١٦) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ — (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دُھل جاتے ہیں جو اس

کے ہاتھوں سے ہوئے' اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لئے اس کے پاؤں استعمال ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں:

۱)...... مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور ڈھل جانے کا ذکر ہے' حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور ڈھل جائے ...... بعض شارحین حدیث نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے .... اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اُس کا ظلماتی اثر اور اس کی نحوست پہلے اُس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے' پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے کو پاک کرنے کے لئے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جس جس عضو سے اُس نے گناہ کئے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب ڈھل جاتی اور زائل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے .... یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲)..... حضرت ابو ہریرہؓ والی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے ڈھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعضے گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے ...... اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اعضاء وضو کا استیعاب نہیں فرمایا ہے بطور تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھوں پاؤں کا ذکر فرمایا ہے ..... اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالک اور امام نسائی نے عبداللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ و استنشاق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور ڈھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے مسح کے ساتھ کانوں کے گناہوں کے نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

۳)..... نیک اعمال کی یہ تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ دھبوں کو دھو ڈالتے ہیں قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ" (ھود ۱۱:۱۱۴) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں ...... اور احادیث میں خاص خاص اعمالِ حسنہ کا نام لے لے کر رسول اللہ ﷺ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے' فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے' اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے گذر چکی ہیں' اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضورؐ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں' اسی بنا پر اہل حق اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ

اعمالِ حسنہ سے صرف صغائر ہی کی تطہیر ہوتی ہے قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء ۴: ۳۱)

اگر تم سارے منہیات (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری (معمولی) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔

الغرض مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دُھل جانے کا ذکر ہے اُن سے مراد صغائر ہی ہیں کبائر کا معاملہ بہت سنگین ہے اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کنجی ہے

۱۷) **عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُهَا مِنْ اَيِّهَا شَاءَ** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سلسلۂ کلام میں) فرمایا "جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہے "اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله" تو لازمی طور پر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جا سکے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاءِ وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لئے مؤمن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاءِ وضو تو دھو لئے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے اس احساس کے تحت وہ کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں "اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله" نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمۂ شہادت کے بعد "اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين" کا بھی اضافہ ہے۔

قیامت میں اعضاءِ وضو کی نورانیت

۱۸) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمَّتِىْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ** — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اُمتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے اُنکے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔

تشریح..... وضو کا اثر اس دنیا میں تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی دھلائی صفائی ہو جاتی ہے اور اہل ادراک و معرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں (اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے۔ قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وضو کرنے والے آپؐ کے اُمتیوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وہاں روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ اُن کا امتیازی نشان ہوگا۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل و مکمل ہوگا اُس کی یہ نورانیت اور تابانی اُسی درجہ کی ہوگی، اسی لیے حدیث کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو

۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذَالِكُمُ الرِّبَاطُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا، حضرت ضرور بتلائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا۔ (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ پڑنا (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، پس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط۔

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلافِ سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونے کیلئے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لئے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں ...دوسرا عمل آپؐ نے بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا اور نماز کے لئے بار بار مسجد کی طرف

جانا اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا...... اور تیسرا عمل آپ نے بتایا "ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار" اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا "یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے" رباط کے معروف معنی اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیئے جاتے ہیں اُن کے پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے [illegible] فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وضو کا اہتمام کمال ایمان کی نشانی

(۲۰) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَقِيْمُوا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ ـ (رواه مالك و احمد و ابن ماجه و الدارمى)

[illegible] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھیک ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو۔ لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لئے، تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پا سکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصوروار اور خطاکار بھی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت بس بندۂ مؤمن ہی کر سکتا ہے۔ [illegible]

تشریح...... وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ برابر باوضو رہے، شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کئے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں "[illegible]" کو کمال ایمان کی نشانی اور اہل ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

وضو پر وضو

(۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ .

(رواه الترمذى)

[illegible] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے

طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

تشریح ..... اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کرلی گئی ہو جس کے لئے وضو ضروری ہے، اس لئے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہئے۔

ناقص وضو کے برے اثرات

۴۲) عَنْ شُبَيْبِ بْنِ اَبِىْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يُلَبِّسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ . (رواه النسائى)

ترجمہ شبیب بن ابی روحؒ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپؐ نے سورۂ روم شروع کی تو آپؐ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑھ گیا۔ جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

تشریح ... معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیاء کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے

یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات پڑھئے!

۲۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ** . (رواہ الشافعی [illegible]

[illegible])

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔"

(مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن داری، سنن نسائی۔ نیز صحیح بخاری میں امام بخاری نے بھی اس حدیث کو بلا اسناد یعنی تعلیقاً روایت کیا ہے۔)

تشریح ... کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجر اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

۲۴) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ** . [illegible]

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔

([illegible])

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لئے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کی پابندی مشکل ہو گی، غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلاشبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔

فائدہ ..... اسی حدیث کی بعض روایات میں "عند کل صلوۃ" کی بجائے "عند کل وضوء" بھی وارد ہوا ہے۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ ([illegible])

۲۵) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَاجَاءَ نِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لئے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرئیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔" (مسند احمد)

تشریح ...... مسواک کے بارہ میں حضرت جبرئیل کی بار بار یہ تاکید وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجاۃ میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لئے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلَانَهَارٍ فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّایَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ یَّتَوَضَّأَ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

۲۷) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّیْلِ یَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۲۸) عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیٍٔ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْیٍٔ كَانَ یَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہئے۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بناء پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، (اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو) اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لئے۔

مسواک سنت انبیاء اور تقاضائے فطرت

۲۹) **عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ الْحَيَاءُ وَ التَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَ النِّكَاحُ .** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیاء، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتلا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی امت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلا شبہ یہ بڑی مؤثر ترغیب ہے۔ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارہ میں انشاء اللہ کتاب النکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے، عبادت میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

۳۰) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَ اسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَ حَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَا قَالَ مُصْعَبٌ وَ نَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ .**

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دس چیزیں ہیں جو امور

فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا، اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (رواہ مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "من الفطرة" یعنی امور فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرۃ سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرۃ کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عشر من الفطرة" کی بجائے "عشر من السنة" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی متوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرۃ سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فَاَقِمْ[1] وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (الروم ۳۰:۳۰) اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرۃ سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ در اصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرۃ کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو، اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا اور

---

[1] پس سیدھا کر و اپنا رخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف 'اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا 'اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں 'یہ دین ہے سیدھا پکا۔

وہ یہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس متفقہ طریقہ زندگی اور اس دین کے اجزاء و احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں:

"یہ دس عملی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملت حنفیہ کے موسس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنیفی امتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لئے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنیفی کے شعائر ہیں۔ اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جا سکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جا سکے تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آ سکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادر الوقوع نہ ہوں اور ان میں معتدبہ فوائد ہوں اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہئے!

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے۔ اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ سنت انبیاء ہے۔ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے[1] اور اس کا صاف کرانا مجوس و ہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے۔ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نیچی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے اس لئے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا

---

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۹۰ ج ۲ دوسری متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بصیغۂ امر بھی وارد ہوا ہے جس سے فقہائے امت نے عام طور سے وجوب سمجھا ہے۔ لیکن کسی حدیث میں مقدار کی صراحت نہیں ہے۔ فقہاء نے مختلف قرائن و شواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک مشت کے بقدر رکھنا واجب ہے۔ ۱۲

ہے۔ اور کلی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت واہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔"

بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے گھن آئے اور کراہیت پیدا ہو احکام فطرت میں سے ہے اور طریقۂ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحسین کو اپنا خاص انعام واحسان بتلایا ہے۔ "وصورکم فاحسن صورکم۔"

اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے روایت کیا ہے، ان سے روایت کرنے والے طلق بن حبیب ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی زکریا نے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے دس چیزوں میں سے نو کو تو وثوق سے ذکر کیا اور دسویں کے متعلق بتلایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی، البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) کرنا تھا۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر

۳۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نماز جس کیلئے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... پہلے بھی بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان اور محاورہ میں ستر (اور اسی طرح بعض اور عدد بھی) مطلق کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں، غالباً اس حدیث میں بھی سبعین کا لفظ اس محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے مقابلے میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ افضل ہے۔ اور اگر سبعین سے مراد ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی استبعاد کی بات نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ مالک الملک اور احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و کبریائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک و گلاب سے اپنے دہن و زبان کو دھو کر اس کا نام لیا جائے اور اس کے حضور میں کچھ عرض کیا جائے، لیکن یہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لئے میں مسواک کرتا ہوں، بہر حال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اس احساس اور ادب کے اس جذبہ سے نماز کے لئے مسواک کرے تو وہ نماز اگر

اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو ستریا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

فائدہ..... مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو حضرت عائشہ ہی کی روایت سے خفیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر کے لکھا ہے۔ رواہ احمد والبزار وابو یعلی وابن خزیمہ فی صحیحہ۔ ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد۔ اور قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اور دوسری حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو جید اور دوسری کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نماز کے لئے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ۔ اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین O"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجاۃ کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی شخص باوضو نہیں ہے (یعنی حدث کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہئے۔ دربار الٰہی کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی، اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ ـ

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ وضو نہ کر لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل

کئے ہوئے مال سے کیا جائے۔

تشریح..... اس حدیث میں "طہور" سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

۳۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ . (رواه ابو داؤد والترمذي والدارمي ورواه ابن ماجه عنه وعن ابي سعيد)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے، جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لئے حلال اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو گئی تھیں)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ (رواه احمد)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے واضح شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اسے مخاطب و مناجاۃ کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کر لیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائم مقام قرار دیے جا سکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اسلئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے

جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی شرط قرار دیے جانے کا اصل راز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس اور عالی بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے۔ انشاءاللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

۳۶) **عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثاً ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثاً ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثاً ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثاً ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلٰثاً ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلٰثاً ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.** ❶

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا۔ پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین دفعہ دھویا۔ (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔

تشریح ..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور مسنون طریقہ ہے البتہ اس میں کلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔ ❶

اس حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی مسنون طریقہ پر وضو کرنے کے بعد کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہوگی جو حدیث نفس سے یعنی ادھر ادھر کے خیالات سے خالی رہی تو انشاءاللہ حدیث کی موعودہ مغفرت اس کو بھی حاصل ہوگی۔ شارحین حدیث اور عارفین نے لکھا ہے کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں

---

❶ رواہ البخاری عن حمران مولیٰ عثمان ... صحیح مسلم

آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

۳۷) **عَنْ اَبِیْ حَیَّةَ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَا هُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَ اسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طُهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ** (رواه الترمذی و النسائی)

ابو حیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی، پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر پیا۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا۔ میں نے چاہا کہ تمہیں دکھلاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔

تشریح...... جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ عام طور سے وضو اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپؐ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپؐ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لئے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیان جواز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی کمی کی وجہ سے آپؐ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۸) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا.**

(رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو آپؐ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا، اس سے زیادہ نہیں کیا۔

۳۹) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ –**

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو بار دھویا)۔

تشریح ...... ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ دھونے کا جواز کرتے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایسا آپ نے کبھی کبھی صرف یہ جتانے اور دکھانے کے لئے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے، مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

۴۰) عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِىٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثاً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَ تَعَدّٰى وَ ظَلَمَ. (رواه النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ ...... عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کر کے دکھایا جس میں آپ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اعضاء وضو کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کامل مکمل وضو ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہوگی۔

۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ الَّتِىْ لَا بُدَّ مِنْهَا وَ مَنْ تَوَضَّأَ اِثْنَيْنِ فَلَهٗ كِفْلَانِ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلٰثاً فَذَالِكَ وُضُوْئِىْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِىْ. (رواه احمد)

ترجمہ ...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو دو مرتبہ (یعنی اس میں اعضاء وضو کو دو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دو حصے ثواب ہوگا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو) افضل اور مسنون طریقہ ہے، تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا دستور اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔) (مسند احمد)

تشریح ...... یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپؐ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا، پھر آپؐ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔ اس دوسری روایت کو دار قطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی دریافت کیا ہے۔ (زجاجۃ المصابیح) ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ فللہ الحمد

وضو کی سنتیں اور اس کے آداب

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔ ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کی بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا اور مل مل کر دھونا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمۂ شہادت پڑھنا اور خاتمۂ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

۴۲) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ .

(رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ ...... حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں۔ ([illegible])

تشریح ...... امت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا۔ اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابو ہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

٤٣) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَ ذَكَرَاسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ لَمْ یُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ.

(رواہ الدار قطنی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے۔

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کوئی کلمہ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہر اور منور ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضاء وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

٤٤) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰی تُحْدِثَ مِنْ ذَالِكَ الْوُضُوْءِ.

(رواہ الطبرانی فی الصغیر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا! اے ابوہریرہ جب تم وضو کرو تو "بسم اللہ والحمد للہ" کہہ لیا کرو (اس کا اثر یہ ہو گا کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبین اعمال) تمہارے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

تشریح: ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو "بسم اللہ والحمد للہ" کہہ کر کیا جائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبان اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

٤٥) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَبِسْتُمْ وَ اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُ وا بِمَیَامِنِكُمْ.

(رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو۔

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتدا داہنی طرف سے کی جائے۔

٤٦) عَنْ لَقِیْطِ بْنِ صَبُرَةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَ خَلِّلْ بَیْنَ

الْاَصَابِعَ وَبَالِغْ فِي الْاِ سْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِماً . (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی)

ترجمہ لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتائیے! (یعنی بتائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی نہ رہے) اور دوسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں دھوتے وقت ان کی انگلیوں میں خلال کیا کرو اور تیسرے یہ کہ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا کے اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو، الا یہ کہ تم روزے سے ہو۔ (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ)۔

٤٧) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ — (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ ﷺ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔

٤٨) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہنچاتے اور اس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

٤٩) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَ اُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَ ظَاهِرَ هُمَا بِاِبْهَامَيْهِ . (رواہ النسائی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔

٥٠) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ .

(رواہ ابو داؤد و احمد و ابن ماجہ)

ترجمہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتِمَهٗ فِیْ اُصْبَعِه

(رواہ الدار قطنی و ابن ماجہ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے)۔

تشریح ...... مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً ڈاڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور ان کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ ﷺ خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ یَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَاهٰذَا السَّرْفُ یَا سَعْدُ! قَالَ اَفِی الْوُضُوْءِ سَرْفٌ؟ قَالَ وَ اِنْ کُنْتَ عَلٰی نَهْرٍ جَارٍ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ (ﷺ) ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان سے فرمایا: سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے) انہوں نے عرض کیا حضور (ﷺ)! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرْفِ ثَوْبِه

(رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لئے رسول اللہ کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپؐ اس کام میں استعمال کرتے تھے۔ بعض اور صحابہ کرامؓ کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے ۔ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کیلئے کوئی مستقل کپڑا رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا اور کبھی کبھی آپؐ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نمبر پر بحوالہ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعا ماثور پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے اور نمبر (۳۶) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالہ بخاری و مسلم گزر چکی ہے جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے:۔

۵۴) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجٰی عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا وَصَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ.**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا، تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ امید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے، لہذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی امید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اس وضوء سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔

تشریح ..... اس حدیث میں رسول اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہ خواب[1] کا واقعہ ہے،

[1] جن شواہد اور قرائن کی بنا پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ منہ

اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے البتہ حضور ﷺ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل۔

[illegible]

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بہیمی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا اور بتلایا جاچکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدث ہے۔ پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں، ایک حدث اصغر، جس کے ازالہ کے لئے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے حدث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے پیشاب پاخانہ اور خروج ریاح وغیرہ حدث اصغر کی مثالیں ہیں اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لئے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس وظائف میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْاً مِنَ الْقُرْآنِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حائضہ عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لئے بالکل ممنوع ہے)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّىْ لَا اُحِلُّ

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (ان کے لئے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے)۔

تشریح ...... مسجد نبوی جب شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، گویا کہ صحن مسجد ہی میں کھلتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آ گیا، کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت رسول اللہ نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب

رسول اللہ نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھلائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں:

٥٧) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ كُلِّ شَعْرٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ. (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لئے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہئے۔ (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے (اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی دھلائی کرنی چاہئے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

٥٨) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَ كَذَا مِنَ النَّارِ ، قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ ثَلٰثاً.

(رواہ ابو داؤد و احمد و الدارمی الا انہما لم یکرر فمن ثم عادیت راسی)

ترجمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تو اس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ حضورؐ کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنا لیا، کہ جب ذرا بڑھے، میں نے ان کا صفایا کر دیا) ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپؐ نے تین دفعہ فرمایا۔

تشریح ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری

ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنالیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ کا اور باقی خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

٥٩) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَءُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَاْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِيْ اُصُوْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى اِذَا رَاٰى اَنْ قَدِاسْتَبْرَأَحَفَنَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ .** (رواه البخاري ومسلم واللفظ لمسلم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے، پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو دھوتے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر وضو فرماتے تھے، اسی طرح جس طرح نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پہنچاتے تھے، یہاں تک جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پہنچالیا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوتے تھے۔

٦٠) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنِىْ خَالَتِىْ مَيْمُوْنَةُ قَالَتْ اَدْنَيْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غُسْلَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِى الْاِنَاءِ ثُمَّ اَفْرَغَ بِهٖ عَلٰى فَرْجِهٖ وَ غَسَلَهٗ بِشِمَالِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْاَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيْدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ مِلْأَكَفِّهٖ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهٗ .** (رواه البخاري ومسلم وهذا لفظ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ کے غسل جنابت کیلئے پانی بھر کے آپ کے پاس رکھ دیا۔ تو آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا داہنا ہاتھ آپ نے پانی کے اس برتن میں ڈالا اور اس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجا پر ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اپنا وہ بایاں ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپ نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں

نے آپؐ کو رومال دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو واپس فرمادیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ ﷺ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا)۔

تشریح ... حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت میمونہ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ ﷺ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپؐ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کے اور رگڑ رگڑ کر خوب مانجتے اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کرکے اور ناک میں پانی لے کر اس کی اچھی طرح صفائی کرکے منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کرکے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپؐ غالباً اس لئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

(۶۱) عَنْ يَعْلٰى قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سَتِيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ ... حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا، تو آپؐ نے (قریبی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شرم و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ ان کی پردہ داری فرماتا ہے اور بندوں کے لئے بھی وہ حیاداری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بناء پر اس کا حکم ہے اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے)۔

مسنون یا مستحب غسل

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی درج کئے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے

غسل کا حکم دیا ہے، لیکن یہ حکم بطور فرضیت اور وجوب کے نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی چند حدیث ذیل میں پڑھئے۔

جمعہ کے دن غسل

٦٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ ...

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ (یعنی جمعہ کی نماز کے لئے) آئے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے اس کو غسل کر کے آنا چاہئے)۔

٦٣) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَغْتَسِلَ فِىْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لئے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔

ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لئے واجب، کا لفظ بھی آیا ہے لیکن امت کے اکثر آئمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد عکرمہؒ سے اس سوال وجواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ:

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اس کے لئے جو اس دن غسل کرے اور جو (کسی وجہ سے اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔ (اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے بہت

موٹے کپڑے) پہنتے تھے اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ :۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَايَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ

اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگا لیا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

۶۴) **عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمْعَةِ فَبِهَا وَ نِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ .** (رواه احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و الدارمی)

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لئے) وضو کر لے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

([illegible])

(آگے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی جمعہ کے دن کے نہانے دھونے کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں انشاءاللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میت کو نہلانے کے بعد غسل

٦٥) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَسَلَ مَیِّتًا فَلْیَغْتَسِلْ .**

(رواہ ابن ماجۃ ورواہ احمد والترمذی وابو داؤد وفی حدیثہم ومن حملہ فلیتوضأ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اسی قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو چاہئے کہ وضو کرلے"۔

تشریح ...... امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اس لئے ان کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کرلے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسالۂ میت کی چھینٹیں اس کے جسم کے کسی حصہ پر پڑ گئی ہوں۔ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد ہوئی ہے، اس لئے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے، اسی طرح حدیث کے دوسرے جز میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن کا غسل

٦٦) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَغْتَسِلُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَ یَوْمَ الْاَضْحٰی .**

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

ف...... عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا، صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، امت کے ان متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آرہا ہے، اس لئے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ امت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا عمل ہی سے ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول تنقید کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے، یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند

میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ صحیح حدیث ہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

تیمم

بسااوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمّم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمّم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر انشاءاللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمّم یہ ہے کہ سطح زمین پر یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی ایسی چیزیں جو سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، ان میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمّم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمّم کی حکمت

غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کے بجائے تیمّم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمّم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار دینہ

اس کے بعد تیمّم سے متعلق چند حدیثیں پڑھئے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تیمّم کا حکم نازل ہوا۔

تیمم کا حکم

٦٧) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالُوا اَلَاتَرٰى اِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ بِالنَّاسِ مَعَهٗ وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِيْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُبْنُ الْحُضَيْرِ وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَالَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ. (رواه البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریتاً ان سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا، ٹوٹ کر گر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپ نے وہاں قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابو بکر صدیق کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہؓ نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آ گئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں (قریب میں) کہیں پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کونچے لگانے، لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست

نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کر کے نماز ادا کی گئی) تو اسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آل ابو بکرؓ! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ (اس سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا جو میری سواری میں تھا، تو میرا وہ ہار اس کے نیچے مل گیا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سورۂ نساء کی یہ آیت مراد ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا . (النساء ۴: ۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو اور تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو (یعنی اس زمین پر دو ہاتھ مار کے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی تھی۔ لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

۶۸) **عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ هٰذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ .** (رواه البخاری و مسلم نحوه)

ترجمہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی ہے، اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہو گا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ

سے ذکر کی، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو وہ اڑ جائے) پھر آپؐ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔

تشریح...... اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجیہیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سہل الفہم یہ ہے کہ غالباً ان کو پانی مل جانے کا انتظار تھا اور اس کی کچھ امید تھی، اس لئے انہوں نے اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم۔ اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اس لیے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپؐ نے ان کی اس غلطی کی تصحیح فرما دی اور بتلا دیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمارؓ چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔

حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اسکو پھونک دینا بہتر ہے۔

۶۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاِذَا وَجَدَالْمَاءَ فَلْيُمِسَّهٗ بَشَرَهٗ فَاِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد)

ترجمہ.... حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا سامان طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ پس جب پانی پاوے تو چاہئے کہ اس کو بدن پر ڈالے، یعنی اس سے وضو یا غسل کر لے، کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر برسہا برس تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ پائے تو تیمم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا، تو غسل یا وضو اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

ف.... قریب قریب سارے ائمہ امت اس پر متفق ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اس نے بجائے غسل کے تیمم کیا ہو، تو اس کو جب پانی مل جائے گا یا بیماری کا عذر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہوگا۔

۷۰) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَا نِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّباً فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَاالْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُ هُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْاٰخَرُثُمَّ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَا ذٰ لِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ يُعِدِ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ

صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِىْ تَوَضَّأَ وَ اَعَادَلَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ . (رواہ ابو داؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں، اس لئے دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپؐ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا اور تم نے جو نماز تیمم کر کے پڑھی، وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی (شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ایسے موقع پر تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپؐ نے فرمایا، کہ تمہیں دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہو گی) اللہ تعالیٰ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ (سنن ابی داؤد، سنن دارمی)

معارفُ الحدیث

جلد دوم —— حصہ دوم

کتابُ الصلوٰۃ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ

اے اللہ میں تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا مبارک ہو، تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَاب ○

خداوندا مجھے نماز قائم کرنے والا بندہ اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے، میرے رب میری دعا قبول فرمالے!

پروردگارا جس دن اعمال کا حساب ہو اس دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخش دے۔

اٰمِیْن یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْن!

عبدك المذنب

محمد منظور نعمانی

عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

حضرات انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، کمالات و احسانات اور اس کی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اس کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی فدویت و بندگی، محبت و شیفتگی اور محتاجی و دریوزہ گری کا اظہار کر کے اس کا قرب اور اس کی رحمت و رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب و روح کے لئے نور اور سرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے ۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعت محمدیؐ) میں نماز کے شرائط و ارکان اور سنن و آداب اور اسی طرح کے مفسدات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان الصَّلٰوة اعظم العبادات شأناً وا وضحها برهاناً واشهرها فی النَّاس و انفعها فی النفس ولذ لك اعتنى الشارع ببيان فضلها و تعيين اوقاتها و شروطها واركانها و اٰدابها ورخصها ونوافلها اعتناء عظيما لم يفعل فی سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدين. (ص ۱۸۶)

یعنی نماز اپنی عظمت شان اور مقتضائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ نفع مند ہے اور اسی لیے شریعت نے اس کی فضیلت اس کے اوقات کی تعیین و تحدید اور اس کے شرائط و ارکان اور آداب و نوافل اور اس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء اصلیہ اور اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واصل الصَّلٰوة ثلثة اشياء ان يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله و عظمته ويعبراللسان عن تلك العظمة و ذالك الخضوع بافصح عبارة وان يؤدب الجوارح

حسب ذ لك الخضو ع.“

یعنی۔ نماز کے اصل عناصر تین ہیں۔ ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لا انتہا عظمت و جلال کے دھیان سے سر افگندہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سر افگندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے۔ اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لئے استعمال کرے۔ پھر اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں۔

”اما الصّلوٰة فهى المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمةالله ... ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله و توجيهه وجهه تلقاء الله وقصر الا ستعانة فى الله ومن افعال تعظيمية كا لسجود والركوع يصيركل واحد عضد الأخرومكمله والمنبه عليه .“

یعنی۔ نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تصور و استحضار۔ دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اس کے اعمال خالص اللہ کے لئے ہیں اور وہ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے۔ اور تیسرے چند تعظیمی افعال جیسے رکوع و سجدہ وغیرہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت و ترغیب کا ذریعہ بنتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

والصّلوٰة معراج المؤمنين معدة للتجليات الاخروية ... وسبب عظيم لمحبة الله و رحمته ... واذا تمكنت من العبد اضمحل فى نورالله وكفرت عنه خطاياه ... ولا شئى انفع من سوء المعرفة منها اذا فعلت افعالها واقوالها على حضور القلب والنية الصالحة ... واذا جعلت رسما مشهورًا نفعت من غوائل الرسوم نفعا بينا و صارت شعارا للمسلم يتميزبه من الكافر ... ولا شىء فى تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل و جريانها فى حكمه مثل الصلوٰة .. ص ۷۲، ۷۳ جلد (۱)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے نماز کی مندرجہ ذیل چند خصوصیات اور تاثیرات بیان کی ہیں، اول یہ کہ وہ اہل ایمان کی معراج ہے اور آخرت میں تجلیات الٰہی کے جو نظارے اہل ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ نور الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی میلی کچیلی چیز دریائی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی میں رکھ کر صاف کیا جاتا ہے)۔۔۔ چہارم یہ کہ نماز جب حضور قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے تو غفلت

اور برے خیالات و وساوس کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے۔ پنجم یہ کہ نماز کو جب پوری امت مسلمہ کے لیے ایک معروف و مقرر رسم اور عمومی وظیفہ بنادیا گیا تو اس کی وجہ سے کفر و شرک اور فسق و ضلال کی بہت سی تباہ کن رسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کا وہ ایک ایسا امتیازی شعار اور دینی نشان بن گیا، جس سے کافر اور مسلم کو پہچانا جا سکتا ہے۔

ششم یہ کہ طبیعت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ یہی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسول اللہ ﷺ کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنے والی ہیں اس لیے ہم نے شاہ صاحب کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکورہ بالا اقتباسات میں شاہ صاحب نے فرمایا ہے ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب ناظرین کرام شاہ صاحب کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھیں۔

نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کافرانہ عمل ہے

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ ..

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

(۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَهْدُ الَّذِىْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ — (رواه احمد والترمذي والنسائي وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے، (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔

(۳) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِىْ خَلِيْلِىْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواه ابن ماجه)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ　　نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے، اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لئے ہے، اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لیے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور ان شاء اللہ آخرت میں ہو گا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بتادیا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص رب کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ　　نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تارک نماز کے بارہ میں یہ ہیں:

فمن ترکھا متعمدا فقد خرج من الملۃ

جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کو چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ　　کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص مؤمن اور مسلمان ہونے کے بعد تارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس دور میں کسی کا تارک نماز ہونا اس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق نے صحابہ کرام کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ:

كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلٰوةِ

رسول اللہ　　کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہے اور ملت اسلامیہ کا خاص شعار ہے، اس لیے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان حدیثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر امت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہر حال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

لیکن ـــ دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بد بخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کافرانہ عمل ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

(۴) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ ذَكَرَاَمْرَالصَّلٰوةِ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَ بُرْهَاناً وَ نَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُوْرًا وَلَا بُرْهَاناً وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ اُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ ـــ**

(رواہ احمد [illegible])

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اندھیریوں میں اس کو روشنی ملے گی اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہوگی، اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ

اسکے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات، اور وہ بد بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ) ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

..... مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون و ہامان اور قارون اور ابی بن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت سے قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّا هُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَلَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ .

(رواہ احمد و ابو داؤد)

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کئے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔

..... مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اس کے لئے کفارہ سیئات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے (ان کے حالات کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخش دے۔ بہر حال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں۔

نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ

٦) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرَئَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَئْىٌ قَالُوا لَايَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَئْىٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا، آپؐ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔

تشریح..... صاحب ایمان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو۔ جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گندہ کپڑا دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہ سکے گا، پس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔ اگلی حدیث نمبرے میں آنحضرت ﷺ نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۷) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَالِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّى الصَّلٰوةَ يُرِيْدُبِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَاالْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواہ احمد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سبب سے) از خود جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپؐ نے ارشاد فرمایا جب مؤمن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

تشریح..... یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی جھونکوں سے ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندہ مؤمن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اس کی رضا جوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو انوار الٰہی کی

شعاعیں اور رحمت الٰہی کے جھونکے اس کے گناہوں کی گندگی کو فنا اور اس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ امْرَءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذَالِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نحوست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یوں ہی معاف فرمادے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز پڑھنے پر جنت کا وعدہ

۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔

۱۰) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (رواہ احمد)

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے گا۔ (مسند احمد)

تشریح..... مندرجہ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ترہیبی اور ترغیبی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پرواہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے الطاف و عنایات سے محروم اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔ وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون ○

نماز محبوب ترین عمل

(۱۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ راہ خدا میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت اور جہاد سے افضل اور محبوب ترین "نماز" کو بتلایا ہے، اور بلا شبہ نماز کا مقام یہی ہے۔ اور اس کی کچھ تفصیل اس ناچیز کے رسالہ "حقیقت نماز" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صَرف کرنے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمت الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کئے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہ قدوسیت میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے۔ پورے آدھے دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر

ادا کی جائے تاکہ غفلت یا بارگاہ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آغاز شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے رب قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر دن کے ختم ہونے پر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو، اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی ہے اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مؤمن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکر مند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا۔ چاشت اور تہجد سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ترغیبی ارشادات ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئیں گے۔ یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَالَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِذَازَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَالَمْ تَحْضُرِالْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِالْمَغْرِبِ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَالَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ

إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ. (رواه البخاري و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو، (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آ جاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اسوقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو"۔ اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے[1]، اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے[2]، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آ جاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آ جاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اسلیے انکے قول کے مطابق مغرب کا وقت اسوقت ختم ہوتا ہے، جب مغربی افق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور سیاہی آ جائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے اس لئے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

[1] یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہے۔ ۱۲ [2] یہ سفیدی اکثر موسموں میں تقریباً آدھے گھنٹے تک رہتی ہے۔ ۱۲

۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ وَ اَمَرَ بِلَالاً فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ اَمَرَهُ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اٰخِرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَاذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَارَأَيْتُمْ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اذان دی، پھر آپؐ نے ان سے فرمایا تو انہوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی) پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپؐ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے (قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں رہا تھا جو شام کو ہو جاتا ہے پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپؐ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپؐ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی) پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپؐ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپؐ نے بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کر کے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپؐ کے حسب حکم انہوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے ظہر اس دن بالکل آخری وقت پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا، لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤخر کر کے پڑھی اور مغرب کی نماز آپؐ نے شفق کے غائب ہو جانے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت یعنی (دن کا اجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپؐ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یارسول اللہ! آپؐ نے ان سے فرمایا، تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھا دیا جائے، اس لیے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ دو دن ہمارے

ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپؐ نے ہر نماز اول وقت پڑھی اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک مؤخر کر کے پڑھی اور ان سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول و آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نماز پڑھتا دیکھا۔

۱۴) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِىْ عَلٰى اَبِىْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِىْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّى الْهَجِيْرَ الَّتِىْ تَدْعُوْنَهَا الْأُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّىْ الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِىْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِى الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِىْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِأَةِ ۔

سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ کے صحابی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپؐ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نماز اولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا ... تو ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا (یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی۔ وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا۔ آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں) اور میں یہ بھول گیا کہ حضورؐ کی مغرب کی نماز کے بارہ میں انہوں نے کیا بتایا تھا (آگے ابو برزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ) اور عشاء (جسے تم لوگ عتمہ کہتے ہو) رسول اللہ دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا اور آپؐ (فجر کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔

تشریح ..... اس حدیث کے راوی سیار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا، دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھا کرتے تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپؐ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

۱۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّى الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ اِذَا اَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ

بِغَلَسٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپؐ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپؐ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپؐ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمیؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپؐ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب گرمی سخت پڑتی تھی تو آپؐ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپؐ نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

۱۶) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

(رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (سنن نسائی)

۱۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فابردوا بالصلوٰۃ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

تشریح..... دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری

سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اسی اتھاہ سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی و ٹھنڈک رحمت خداوندی کی لہر ہے اس لیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

[illegible]

۱۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِىْ فَيَاْتِى الْعَوَالِىَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضورؐ کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی[1]۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انہوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانے میں بنو امیہ کے بعض خلفا اور امراء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرزِ عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی

[1] حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ کے خاص خادم تھے۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپ کی خدمت میں دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت پر بصرہ منتقل ہوئے ۹۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات کے بارہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں لیکن راجح یہی ہے کہ آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی، واللہ اعلم۔

حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپؐ کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہنچتا اس وقت بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اِصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَى الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَايَذْكُرُاللهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔

مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مؤمن کو چاہئے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طمانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض اور احادیث میں بھی آیا ہے، ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دو قرنوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ و تمثیل ہو۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَزَالُ اُمَّتِىْ بِخَيْرٍ اَوْقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔

۱ ۲۹-۱۳۴۸ھ م ۳۰-۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ یہ ناچیز امروہہ ضلع مراد آباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا (جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امروہہ سے قریباً ۹ میل پر ہے) اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہنچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جایا کرتا۔

تشریح ...... مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ عموماً اول وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

وقت عشاء کے بارے میں

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کریں۔"

(۲۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَیْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَیْنَا حِیْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِیْ اَشَیْءٌ شَغَلَهٗ فِیْ اَهْلِهٖ اَوْ غَیْرَ ذَالِكَ فَقَالَ حِیْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَایَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِیْنٍ غَیْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ یَّثْقُلَ عَلٰی اُمَّتِیْ لَصَلَّیْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰی. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپؐ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپؐ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپؐ کو پیش آ گئی تھی۔ بہرحال جب آپؐ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لئے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپؐ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ (مسلم)

...... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت اگر چہ وہ ہے جب کہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے اس لیے رسول اللہ مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشاء کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپؐ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپؐ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب انشاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ .

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس نماز عشاء کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ نماز عشاء اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔

...... تجربہ اور حساب سے معلوم ہوا ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا عام معمول اتنے ہی وقت نماز عشاء پڑھنے کا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَايُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہو کر اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے

پہچانی نہ جا سکتیں۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد و قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِى الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَمَايَقْرَؤُالرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً .

حضرت قتادہ تابعی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ نماز فجر کے لیے کھڑے ہوگئے اور آپؐ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بس اسقدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔

تشریح..... پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضورؐ کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے، لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپؐ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپؐ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ."

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل

جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ راجح ہے کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ فجر کی نماز تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرے پڑھتے تھے، اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت میں اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں (یعنی اجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی میں جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اکثر معمول تھا۔ بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

آخری وقت نماز پڑھنے سے پرہیز

۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اسکے آخری وقت میں نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول و آخر وقت بتانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں۔ یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے **نمبر۱۲** پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضورؐ کا طریقہ

نہیں تھا۔

۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ يَاعَلِیُّ ثَلٰثٌ لَاتُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَ الْجِنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا كُفْوًا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علی ہذا جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

۲۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْيُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ — (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب ایسے (غلط کار اور ناخدا ترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بنی امیہ کے بعض خلفاء اور امراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابہ کرامؓ نے ان کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین، ان کو یہ ابتلاء پیش آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو

۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِیَ صَلٰوةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز

کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔

...... مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپؐ اور آپؐ کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگانے کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلالؓ کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے رسول اللہ کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کر اٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت نے اذان دلوا کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا۔ گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔

اذان

رسول اللہ جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ نے اس بارہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جایا کرے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگھا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لیے نرسنگھا بجایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپؐ اس مسئلہ میں متفکر رہے، آپؐ کی اس فکرمندی نے بعض صحابہ کرامؓ کو بھی بہت متفکر کر دیا ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے جو حضورؐ کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکرمند اور بے چین ہوگئے تھے، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی) اس خواب میں انہیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی، انہوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "انشاءاللہ یہ رؤیا حق ہے" یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے۔ (یہ بات آپؐ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپؐ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی) بہرحال آپؐ نے ان صحابی عبداللہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لئے اسی طرح اذان دیا کریں۔ بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور

امت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے۔ اس تمہید کے بعد اذان واقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

اسلام میں اذان کی ابتداء

عَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِهْتَمَّ النَّبِیُّ ﷺ لِلصَّلٰوةِ كَیْفَ یُجْمَعُ النَّاسُ لَهَا فَقِیْلَ لَهٗ اِنْصِبْ رَایَةً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا رَأَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ یُعْجِبْهُ ذٰلِكَ قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ یَعْنِیْ شُبُّوْرَ الْیَهُوْدِ فَلَمْ یُعْجِبْهُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْیَهُوْدِ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَیْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاُرِیَ الْاَذَانَ فِیْ مَنَامِهٖ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَبَیْنَ نَائِمٍ وَیَقْظَانَ اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَاَرَانِی الْاَذَانَ .... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا یَاْمُرُكَ بِهٖ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَیْدٍ فَافْعَلْهُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ — (رواہ ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپؐ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپؐ کے سامنے یہودیوں کے بھونپو کا بھی ذکر کیا گیا، آپؐ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپؐ نے پسند نہ کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے۔ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی فکر مندی کو دیکھ کر آپؐ کے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زیدؓ بن عبد ربہٖ بھی بہت فکر مند ہوئے اور اسی فکر مندی کی حالت میں حضورؐ کی مجلس سے واپس آ کر پڑ گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انہوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ رات جب کہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا، میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہہ کر دکھائی..... (پھر انہوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضورؐ نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید تم سے جو کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔

..... ابوداؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب

عبداللہ بن زیدؓ سبقت کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انہوں نے حضورؐ سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اور بعض میں اور بھی چند صحابہ کرامؓ کے اسی قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِىْ وَاَنَانَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِىْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ؟ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْبِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰه اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه .. قَالَ ثُمَّ اسْتَاخَرَ عَنِّىْ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَارَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَارَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتاً مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِىْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَ هٗ وَيَقُوْلُ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ . (رواه ابو داؤد و الدارمی)

ترجمہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا، اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز بتادوں؟ جو اس کام کے لیے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا ہاں ضرور بتایئے، اس نے کہا کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمدا رسول اللہ، اشہدان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ عبداللہ

بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو، الله اكبر الله اكبر . اشهدان لااله الا الله . اشهدان محمدا رسول الله . حى على الصلوة . حى على الفلاح . قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة . الله اكبر . الله اكبر . لااله الا الله ۔ (عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپؐ کو بتایا آپؐ نے فرمایا یہ رویاء حق ہے۔ انشاء اللہ (اور آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا، میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے۔ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فلله الحمد　([illegible])

تشریح ..... اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زیدؓ کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انسؓ کے صاحبزادے ابو عمیرؒ کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ "وہ نصاریٰ کی چیز ہے" اس عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لیے جو چند تجویزیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ ان میں جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپؐ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اس لیے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپؐ نے صرف یہ فرمایا کہ "هو من امر النصارى" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپؐ کے اس وقت کے لب ولہجہ سے بھی بعض صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپؐ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اس بناء پر انہوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضورؐ نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرما لیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہوگا (اور غالباً اسی لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہر حال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے غالباً اسی صورت کو "امر بالناقوس" سے تعبیر فرما دیا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ والله تعالى اعلم

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے

قامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آرہی ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جارہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بناء پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جا سکتا ہے۔

۳۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَالنَّاسُ ذَكَرُوْا اَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْئٍ يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوْا اَنْ يُوْرُوْانَارًا اَوْ يَضْرِبُوْانَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَالْاِقَامَةَ ۔

(رواہ البخاری و مسلم و اللفظ لہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انہوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایک چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی بروقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔

تشریح...... اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ایک دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات ہوئی تھی اس کے بعد عرصہ تک یہی طرز عمل رہا۔ لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوہ حنین سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اس لیے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ [illegible] ہے کہ اذان

واقامت کے کلمات کے بارے میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ ﷺ سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔ ❶

ابو محذورہ کو اذان کی تلقین

۳۴) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّاْذِیْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه . اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ . اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه . (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو:

اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا پھر دوبارہ یہی کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ — (صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْاِ قَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔ (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی والدارمی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔ [illegible]

تشریح..... حضرت ابو محذورہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور "قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ" دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کمی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے، دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

❶ وعندی انها كا حرف القرآن كلها شاف كاف، حجة الله البالغة ص ۱۹۱ ج ۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ حنین کی طرف تشریف لے گئے، جبکہ آپؐ کے ساتھ ایک خاصی بڑی تعداد ان طلقاء کی بھی ہو گئی تھی جن کو آپؐ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا، تو یہ ابو محذورہ بھی جو اس وقت ایک شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نو اور یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ ہی میں حضورؐ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ نماز کا وقت آنے پر رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے (بلکہ اذان والے دین ہی سے) منکر و متنفر تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی، رسول اللہ ﷺ کو آواز پہنچ گئی تو آپؐ نے ہم سب کو بلوا بھیجا، ہم لا کر آپؐ کے سامنے پیش کر دیئے گئے، آپؐ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ (ابو محذورہ کہتے ہیں کہ) میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات سچی بھی تھی، آپؐ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو (ابو محذورہ کا بیان ہے کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپؐ نے جس اذان کے دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی، یعنی میرا دل (معاذ اللہ) آپؐ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبور اور بے بس تھا اس لیے ناچار حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی اور فرمایا کہو [illegible] (آخر تک بالکل اسی طرح جس طرح اوپر والی حدیث میں گزر چکی ہے۔ آگے ابو محذورہ بیان کرتے ہیں) جب میں اذان ختم کر چکا تو آپؐ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی، اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھا اور پھر آپؐ نے دست مبارک میرے چہرہ پر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور پھر قلب و جگر پر اور پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی "بارک اللہ فیک و بارک اللہ علیک" (اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے) یہ دعا آپؐ نے مجھے تین دفعہ دی (حضورؐ کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لعنت دور ہو گئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہو گئی) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیجئے! آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شہادت کے کلمے اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدا رسول اللہ مکرر یعنی بجائے دو دو دفعہ کے چار چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اس وقت تک ایمان آیا نہیں تھا، انہوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کر دی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگوار ان کو اس وقت شہادت کے یہی دو کلمے تھے (یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ) جب ایک دفعہ کہہ چکے تو حضورؐ نے فرمایا ان کلموں کو پھر دوبارہ کہو

اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپؐ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے، الغرض یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپؐ نے شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مستقل مؤذن حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کی صحیح روایت میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورہؓ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے مؤذن بلالؓ کس طرح اذان دیتے ہیں۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہ وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسی یہ ان کی ایک عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلا شبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے انشاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لئے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کئے جا سکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدہ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہو جاتا ہے اس کے لئے "اشهد ان لا اله الا الله" جیسا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے، یہ سوال فوراً سامنے آ جاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے "اشهد ان محمدا رسول الله" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا، اس کے بعد "حی علی الصلوٰة" کے ذریعہ اس صلوۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عبادت و بندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد حی علی الفلاح کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے، اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدہ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکت غیرے الہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بناؤ۔

بار بار غور کیجئے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ تبلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا ہی کرلیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرادیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھادیں، خصوصاً اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھادیں تو انشاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔ اذان و اقامت سے متعلق بعض احکام:

(۳۶) **عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَ اِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِىْ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے، وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لے اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... اس حدیث میں اذان و اقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو بالکل واضح ہیں۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت "ولا تقوموا حتى ترونى" (اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) وضاحت طلب ہے، غالباً کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرہ شریف سے حضورؐ کے مسجد تشریف لانے سے پہلے یہ اندازہ کر کے کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے عنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اس کی آپ نے ممانعت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آجاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس ممانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ کو تشریف لانے میں دیر ہو جائے، لیکن اس

کے علاوہ آپؐ کی تواضع پسند طبیعت کے لیے یہ بات بھی تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپؐ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

۳۷) عَنْ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَبِلَا لًا اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ قَالَ اِنَّهُ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ . (رواہ ابن ماجہ)

سعد قرظ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔

۳۸) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَ ائِى قَالَ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اُذِّنَ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَخَاصُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَيُقِيْمُ .

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضورؐ نے (میرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے۔

۳۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِى الْعَاصِ قَالَ اِنَّ مِنْ آخِرِمَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنِ اتَّخِذْمُؤَذِّنًا لَا يَاخُذُ عَلٰى اَذَانِهِ اَجْراً . (رواہ الترمذی)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپؐ نے) آخر میں جو تاکیدی ہدایتیں مجھے فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا مؤذن مقرر کر لینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (بس اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)۔

تشریح ... اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے۔ دوسرے حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔ حنفیہ میں سے بھی متاخرین اہل فتویٰ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کی عظمت اور تقدس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہوں اور تنخواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہی ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کر لی جائے۔

۴۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ

وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ . (رواه احمد و ابو داؤد والترمذی و الشافعی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ (اماموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہرا اور باطناً اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری بتلائی اور دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَ اَقِيْمَا وَلْيَؤُمُّكُمَا اَكْبَرُكُمَا . (رواه البخاری)

مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچازاد بھائی بھی ساتھ تھے، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلہ کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضورؐ کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضورؐ کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپؐ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان واقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے، چونکہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

اذان اور مؤذنوں کی فضیلت

۴۲) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رواه البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن ضرور

اس کے حق میں شہادت دے گی۔

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہے (❶ ... الآیۃ) اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابل رشک فضیلت ہے۔

۴۳) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ .** (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔

تشریح..... اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ مثلاً اندھیرے کے لیے آفتاب ناقابل برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلتے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے، بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۴۴) **عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .** (رواہ مسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سربلند) ہوں گے۔

تشریح..... حدیث کے الفاظ "اطول الناس اعناقا" کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہے لیکن شارحین نے

---

❶ یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اور حمد تم انسانوں کے فہم وادراک سے باہر ہے۔ ۱۲

اس کے کئی مطلب بیان کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد ان کی سربلندی ہے۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو یہ امتیاز اسی طرح حاصل ہوگا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں ان کا یہ امتیاز بھی بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

۴۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوْلَاهُ وَ رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِىْ بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ —

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا اور لوگ (اس کی نیک عملی اور پاکیزہ سیرت کی وجہ سے) اس سے راضی اور خوش رہے اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے روزانہ اذان دیا کرتا تھا۔

۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ .

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے جس بندہ نے سات سال تک اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتش دوزخ سے براءت لکھ دی جاتی ہے (یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے فرمادیا جاتا ہے۔ کہ دوزخ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور اس کی آگ اور لپٹ کو اس بندہ کو چھونے کی بھی اجازت نہیں)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْمُلَبِّيْنَ يَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ وَ يُلَبِّى الْمُلَبِّىْ .

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذان کہنے والے اور تلبیہ[1] پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تلبیہ پڑھنے والے تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہوں گے"۔

تشریح ... اذان اور مؤذنوں کی جو غیر معمولی فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان واسلام کا شعار اور اپنے معنی وترتیب کے لحاظ سے دین کی نہایت بلیغ اور جامع دعوت وپکار ہے اور

[1] تلبیہ حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص ذکر اور وظیفہ ہے اور وہ یہ ہے

مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔ افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ و اصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا

۴۸) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ ثُمَّ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور (اس کے جواب میں) تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہد ان محمدا رسول اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے، اشہد ان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح اور جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے لا الٰہ الا اللہ اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح..... ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہئے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز باجماعت کا اعلان اور بلاوا ہے دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا منشور ہے۔ پہلی حیثیت سے اذان سننے والے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے[1]۔ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزو اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمان عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد دعا میں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک

[1] اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی ارشادات ان شاء اللہ آگے جماعت کے بیان میں درج کئے جائیں گے۔ ۱۲

اس کی خاص حکمت یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

۴۹) **عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَهٗ ذَنْبُهٗ.**

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت (یعنی جب وہ اذان پڑھ کر فارغ ہو جائے) کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمدؐ کو رسول اللہ مان کر اور اسلام کو دین حق مان کر، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح ..... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت وضو کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۵۰) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ –**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے "اے اللہ اس دعوت تامہ کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ ودائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے (اپنے رسول پاک) محمد کو وسیلہ اور فضیلہ کے خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے" تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہو گیا۔

تشریح ..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں کے رسول اللہ ﷺ کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدی ﷺ کا خاص طور سے حق دار ہو گا۔ ایک وسیلہ۔ دوسرے فضیلۃ۔ تیسرے مقام محمود۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور سمجھنا چاہئے کہ فضیلۃ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے اور اسی طرح مقام محمود و مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہو گا اور سب اس کے ثناخواں اور شکر گزار ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں معارف الحدیث کی پہلی جلد میں شفاعت کے بیان میں وہ حدیثیں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی جن میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے۔ حتی کہ حضرت نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت سیدالرسل حضرت محمد ﷺ ہی انا لها انا لها کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا، خود آپؐ کا ارشاد ہے "انا اول شافع و اول مشفع" (سب سے پہلا شافع میں ہوں گا اور بارگاہ خداوندی میں سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی) نیز آپؐ کا ارشاد ہے "وانا حامل لواء الحمد يوم القيمة تحته آدم فمن دونه ولا فخر" (قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین میرے اسی جھنڈے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے) بس یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے۔ "عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا" (بنی اسرائیل۔ع ۱۰) (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرمادے)۔ الغرض وہ خاص الخاص مرتبہ اور درجہ جس کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلہ کہا گیا ہے اور عزت و امتیاز اور محمودیت عامہ کا وہ مقام بلند جس کو قرآن مجید میں اور اس حدیث میں مقام محمود کہا گیا ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ زیر تشریح حدیث میں آپؐ نے ہم کو اس کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے اور مقامات آپؐ کو عطا کیے جائیں اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔

فائدہ..... مندرجہ بالا تینوں حدیثوں پر عمل کرنے کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کے ساتھ تو اس کے ہر کلمے کو دہرایا جائے جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہوا، اور اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کی حدیث کے مطابق کہا جائے اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا لِلّٰه (آخر تک) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی جائے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ سے وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته" تک۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ بیہقی کی روایت میں اس دعا کے آخر میں "انك لاتخلف الميعاد" کا اضافہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ان احکام کی روح کو سمجھ کر ان پر عمل کی حقیقی برکات حاصل کریں۔

مساجد

ان کی عظمت واہمیت اور آداب و حقوق

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے

سے کچھ اشارے بھی کیے جا چکے ہیں [1]۔ ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپؐ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اسی کے ساتھ آپؐ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ کے آپؐ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

(۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار اور منڈیاں ہیں۔ (صحیح مسلم)

..... انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انہیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو سے ایک خاص نسبت ہے اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کی مادی و بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل روح اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں سے زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے دل نہ

[1] زیر عنوان "نماز کی عظمت و اہمیت" ص ۱۰۵

لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصول دیانت و امانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلا غلاظت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً تحت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاء حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَاللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا۔ قیامت کے اس دن میں جس دن کہ اس کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایک عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمانروا، دوسرا وہ جوان جس کی نشو و نما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی (یعنی جو بچپن سے عبادت گزار تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا اور جوانی کی مستیوں نے اسے غافل نہیں کیا) تیسرا وہ مرد مؤمن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے اٹکا رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آ جائے، اور چوتھے وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اسی پر جڑے رہے اور اسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منہ دیکھے کی محبت نہیں جیسی کہ اہل دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی ان کے دل للّٰہی محبت سے لبریز ہوتے ہیں) پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اس کے آنسو بہہ پڑے اور چھٹا وہ مرد خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحب وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔

تشریح ..... اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس شخص کو اللہ کے سایہ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا

حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ بے شک مؤمن کا حال یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

(۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، رب کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے، جو وہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان مہمانی کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

اَلْمَسَاجِدُ بُیُوْتُ اللّٰهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ زُوَّارُاللّٰهِ وَحَقٌّ عَلَی الْمَزُوْرِ اَنْ یُّكْرِمَ زَائِرَهٗ

(کنز العمال ص ۱۲۴ ج ۴)

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جن کی ملاقات کو کوئی آئے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور اس کی خاطرداری کرے۔

جس کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔[1]

(۵۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَ فِیْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّ عِشْرِیْنَ ضِعْفًا وَ ذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ لَایُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ یَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰی لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا یَزَالُ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوةٍ مَاانْتَظَرَ الصَّلٰوةَ. (رواه البخاري و مسلم)

---

[1] بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعود کی روایت سے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی مل گئی۔ ۱۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے، ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے، اے اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔

تشریح مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر بہ نسبت گھر اور دکان وغیرہ کے ۲۵ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی بلندی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاں دولت ہے؟ اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دعا "اللهم صلی علیه اللهم ارحمه" کیسی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں "اللهم اغفر له اللهم تب علیه" کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرما دے، اس کی توبہ کو قبول فرما لے)۔ نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے "مالم یؤذ فیه مالم یحدث" یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۵۵) **عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِئْذَنْ لَنَا فِى التَّرَهُّبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِىْ اَلْجُلُوْسُ فِى الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ .** (رواہ فی شرح السنة)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔

تشریح ... رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضورؐ سے عرض کیں، ان میں سے آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لیے پہلی امتوں میں رہبانیت تھی

میری امت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری امت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا ... ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

٥٦) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِى الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ... (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں، ان کو بشارت سنا دو کہ (ان کے اس عمل کے صلہ میں) قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا ہوگا۔

تشریح ..... رات کے اندھیروں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بشارت سنوائی ہے کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کے اندھیریوں میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا فرمایا جائے گا۔

٥٧) عَنْ اَبِىْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اللهم افتح لي ابواب رحمتك (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اللهم انی اسئلك من فضلك (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرما دے)۔

تشریح ..... قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر، اخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور ان میں زیادتی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح باب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی، کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے۔ ان دونوں باتوں کا خاص منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

تحیۃ المسجد

۵۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

تشریح..... مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو بیت اللہ کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے، اس لیے اس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم جمہور ائمہ کے نزدیک استحبابی ہے۔

ف..... اس حدیث میں صراحۃً حکم ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصداً بیٹھتے ہیں اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رواج پا گئی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رائج تھی۔

۵۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَايَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِی الضُّحٰی فَاِذَا قَدِمَ بَدَءَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰی فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر سے واپسی میں آپ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وہیں (کچھ دیر تک) تشریف رکھتے تھے۔

تشریح..... دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آتی ہے کہ آپ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گویا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضورؐ میں یہ ہدیہ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اسکے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور مشتاقان زیارت وہیں آ کر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ یہ تھا مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

(۶۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور اور آباد رہے، یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِی الدُّوْرِ وَ اَنْ یُّنَظَّفَ وَ یُطَیَّبَ.

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر

(۶۲) عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ

اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔ ❶

تشریح..... حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور ٹیپ ٹاپ پسندیدہ نہیں

۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن عباسؓ نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد "مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ" کا منشاء اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ مطلوب اور محمود نہیں ہے بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔ آگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مسجدوں کے متعلق امت کی بے راہ روی کے بارہ میں جو پیشین گوئی فرمائی ظاہر یہی ہے کہ وہ بات بھی انہوں نے کسی موقع پر رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

اَرَاكُمْ سَتَشْرِفُوْنَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِىْ كَمَا شَرَفَتِ الْيَهُوْدُ كَنَائِسَهُمْ وَ كَمَا شَرَفَتِ النَّصَارٰى بِيَعَهَا . (رواہ ابن ماجہ)

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک وقت (جب میں تم میں نہ ہوں گا) اپنی مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں اور نصاریٰ نے اپنے گرجے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے (جو رسول اللہ ﷺ کے بعد قریباً ساٹھ سال تک اس دنیا میں رہے) مسلمانوں کے مزاج اور طرز زندگی میں تبدیلی کا رخ اور اس کی رفتار دیکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی ہو۔ بہر حال پیشین گوئی کی بنیاد جو بھی ہو وہ حرف بحرف پوری ہوئی، خود ہم نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان ہی کے بعض علاقوں میں ایسی مسجدیں دیکھی ہیں جن کی آرائش و زیبائش کے مقابلے میں ہمارا خیال ہے کہ کوئی کنیسہ اور کوئی گرجہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔

---

❶ ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "بیتاً" کی تنوین تعظیم کے افادہ کے لئے ہے' اسی بناء پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار محل" کیا ہے۔ ۱۲واللہ اعلم

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ... اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِى الْمَسَاجِدِ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ... نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارے میں لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر ومباہات کرنے لگیں گے۔ (یعنی اپنا تفوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔)

..... قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو اس کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی، جیسے خروج دجال اور آفتاب کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ، اور بعض وہ ہیں جو قیامت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوں گی۔ رسول اللہ ... نے امت میں پیدا ہونے والی جن خرابیوں اور جن فتنوں کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا ہے وہ اکثر اسی قسم کی ہیں۔ اور مسجدوں کے بارہ میں فخر ومباہات بھی انہی میں سے ہے اور مسلمان اب سے بہت پہلے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ... مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ –

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ... نے فرمایا۔ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز یا لہسن) سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

... مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے، چونکہ لہسن اور پیاز میں بھی ایک طرح کی بدبو ہوتی ہے اور بعض مخصوص علاقوں میں پیدا ہونے والی ان دونوں چیزوں کی بو بہت ہی تیز اور سخت ناگوار ہوتی ہے اور حضورؐ کے زمانے میں لوگ ان کو کچی بھی کھاتے تھے اس لیے آپؐ نے حکم دیا کہ ان کو کھا کر کوئی آدمی مسجد میں نہ آئے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ جس چیز سے سلیم الطبع آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ کے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے اور مسجدوں میں چونکہ فرشتوں کی آمد ورفت بڑی کثرت سے ہوتی ہے اور خاص کر نماز میں وہ بنی آدم کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک رہتے ہیں اسلیے ضروری ہے کہ بدبو جیسی کسی بھی چیز سے ان مقدس اور محترم مہمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ پیاز اور لہسن دونوں کا نام لے کر رسول اللہ ... نے فرمایا کہ ان کو کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آیا کرے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی

ہوں تو وہ پکا کر ان کی بدبو زائل کر لیا کرے۔[1]

ان حدیثوں میں اگرچہ صرف پیاز اور لہسن کا ذکر آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر بدبودار چیز بلکہ ہر اس چیز کا جس سے سلیم الفطرت انسانوں کو اذیت پہنچے یہی حکم ہے۔

(۶۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَنَاشُدِالْاَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمْعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِي الْمَسْجِدِ ۔

عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں شعر بازی کرنے سے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے لوگ اپنے حلقے بنا بنا کر بیٹھیں۔

...... مسجدوں کی دینی عظمت کا یہ بھی حق ہے کہ جو مشغلے اللہ کی عبادت سے اور دین سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی نفسہ جائز ہوں (خواہ کاروباری ہوں جیسے تجارت سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے مشاعرے اور ادبی مجلسیں) مسجدیں ان کے لیے استعمال نہ کی جائیں۔ مسجد میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت کی بنیاد یہی ہے حدیث کا آخری جز جو جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس کا منشاء اور مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن نماز کے لیے پہلے سے مسجد پہنچ جائیں (جس کی خود حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے) ان کو چاہیے کہ وہ نماز تک یکسوئی کے ساتھ ذکر و عبادت اور دعا جیسے اشغال میں مشغول رہیں اپنے الگ الگ حلقے اور مجلسیں قائم نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

(۶۷) عَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَ مَجَانِيْنَكُمْ وَشِرَاءَ كُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُوْمَاتِكُمْ وَرَفْعَ اَصْوَاتِكُمْ وَاِقَامَةَ حُدُوْدِكُمْ وَسَلَّ سُيُوْفِكُمْ . (رواہ ابن ماجہ)

واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور الگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو (ان کو مسجدوں میں نہ آنے دو) اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے باہمی جھگڑوں ٹنٹوں کو اور اپنے شور و شغب کو اور حدوں کے قائم کرنے کو اور تلواروں کو نیاموں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کی حدود میں نہ ہو، یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احترام کے خلاف ہیں)۔

[1] رواہ ابو داؤد عن معاویۃ بن قرۃ ۱۲

مسجدوں میں دنیوی باتیں نہ کی جائیں

۶۸) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِىْ مَسَاجِدِهِمْ فِىْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہئے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبے سے ہو، مسجدوں میں مشورے کیے جا سکتے ہیں اور اس سلسلے کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہو گا، نیز یہ بھی شرط ہو گی کہ یہ جو کچھ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

ف: اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے پہنچی ہو گی، لیکن انہوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ ایسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں "مرسل" کہا جاتا ہے۔ یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا

۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا اسْتَاْذَنَكُمْ نِسَائُكُمْ بِاللَّيْلِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری بیویاں رات کو مسجد جانے کیلئے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ .

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جبکہ مسجد نبوی میں پانچوں وقت کی نماز بہ نفس نفیس آپ خود پڑھاتے تھے تو آپ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر میں) مسجد میں جا کر حضور کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ

اپنی بیویوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور ان کا یہ اجازت نہ دینا کسی فتنہ کے اندیشہ سے یا کسی بدگمانی کی وجہ سے نہ تھا (کیونکہ اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ اس لحاظ سے ہر طرح قابل اطمینان تھا) بلکہ ایک غیر شرعی قسم کی غیرت اس کی بنیاد تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں اگر رات کی نمازوں میں مسجد میں آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دینا چاہیے لیکن خود عورتوں کو آپ برابر یہی سمجھاتے رہے کہ بی بیو تمہارے لیے زیادہ بہتر اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا ہے، جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

۷۱) **عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلٰوةَ مَعَكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلٰوةَ مَعِيَ وَصَلٰوتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلٰوتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ .** (رواه احمد)

مشہور صحابی ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں، آپ نے ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے اور مسئلہ شریعت کا یہ ہے کہ تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصے میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل اور بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آکر نماز پڑھو۔ (مسند احمد)

تشریح ..... اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کی وضاحت بار بار اور مختلف موقعوں پر فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود بہت سی صحابیات کا دلی جذبہ یہی ہوتا تھا کہ چاہے ہمارے لیے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو۔ لیکن ہم کم از کم رات کی نمازیں مسجد میں حاضر ہو کر حضورؐ کے پیچھے ہی پڑھ لیا کریں۔ اور چونکہ اس جذبہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کی سچی ایمانی محبت تھی اور اس زمانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ عورتیں اگر رات کو مسجدوں میں جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ بہر حال یہ اجازت دینے کا حکم اس وقت کا ہے جب کہ عورتوں کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور بعض صحابہ کرام صرف عرفی غیرت یا

اپنی خاص افتادِ طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تھے۔ لیکن جب عورتوں اور مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آگئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج و منشاء سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آپ پڑھیں گے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرز زندگی میں) اب پیدا کر لی ہیں تو آپ خود ان کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے، جس طرح کہ (اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے) بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے اگلے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔

...... یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ اسی بناء پر جمہور صحابہؓ کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانا چاہئے، بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو اور ترقی ہوئی اور ہمارے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

گزشتہ صفحات میں کتاب الصلوٰۃ کے بالکل شروع ہی میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسولؐ سے بے تعلقی کی علامت ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو اعلانیہ اور ..... یعنی سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لیے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔ ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ افراد امت کا روزانہ، بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ

ان حدیثوں کی تشریح میں اور اس مسئلہ پر یہاں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دو سطروں کی توضیح و تفصیل ہے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ولا اختلاف بین قوله ﷺ "اذا استأذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها" و بين ماحكم جمهور الصحابة من منعهن اذا المنتهى الغيرة التي تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة و الجائز مافيه خوف الفتنة و ذالك قوله ﷺ الغيرة غيرتان و حديث عائشة ان النساء احدثن. الحديث. حجة الله البالغة ص ۲۶ ج ۲

سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

علاوہ ازیں باجماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے، جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

نیز نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں ملائکۃ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لئے بہت آسان ہے۔

بہر حال نظام جماعت کے انہی برکات اور اس کے اسی قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے امت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے اور جب تک امت میں رسول اللہ کی ہدایت و تعلیمات پر اسی طرح عمل ہوتا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اس وقت سوائے منافقوں یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس تمہید کے بعد جماعت کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے:

۷۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ ...... وَفِيْ رِوَايَةٍ ...... اِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَ اِنَّهُنَّ (اَيِ الصَّلَوَاتُ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ) مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ —

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی، بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا

کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آ سکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اسکے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ہم کو کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت و سعادت وابستہ ہے) اور انہی میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبیؐ کے لیے مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا تک پہنچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی میں سے ہے اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اس زمانے کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے، اور جب تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گرو گے۔

رسول اللہ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ کی تعلیم فرمودہ میں سے ہے، یعنی آپ کی ان اہم دینی تعلیمات میں سے ہے، جن سے امت کی ہدایت وابستہ ہے۔ آگے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا رسول اللہ کے طریقے کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت کے اس اولین دور میں جو مثالی اور معیاری دور تھا، منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا، اور اللہ کے بعض صاحب عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آ کر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت ان کے اور عام صحابہؓ کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے۔ پس جن حضرات نے اس روایت کے لفظ سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس کا ہے، غالباً انہوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس پورے ارشاد کو سامنے نہیں رکھا۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑے گی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ لَیْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَافِیْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَیُقِیْمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا یَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰی مَنْ لَا یَخْرُجُ اِلَی الصَّلٰوةِ بَعْدُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر و عشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آ سکتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آتے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کے فتیلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگا دوں جو اس کے بعد بھی (یعنی اذان سننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔ ([illegible])

تشریح ..... اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے، اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ ﷺ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف و صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ اَوْلَاُ حَرِّقَنَّ بُيُوْتَهُمْ — (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)

لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں، نہیں تو میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

یہ تارکین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنے والے) بہر حال اس وعید اور دھمکی کا تعلق ان کے عمل ترکِ جماعت سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبلؒ بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے جماعت سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔ اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم

۷۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیْ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اِتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِیْ صَلّٰى** . (رواہ ابو داؤد و الدار قطنی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:- جو شخص نماز باجماعت کے لئے مؤذن کی پکار سنے اور اس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے

سے) کوئی واقعی عذر اس کے لیے مانع نہ ہو (اور اس کے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے) تو اس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ: حضرت ( ) واقعی عذر کیا ہو سکتا ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جان و مال کا خوف یا مرض۔

تشریح...... اس حدیث میں بھی تارکین جماعت کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے۔ بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جماعت وضوء وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بھی کم ہوتا ہے، اور رضاء الٰہی جو خاص الخاص مقصد اور ثمرہ ہے اس سے محروم رہتی ہے، جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری ان حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے۔ جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔

۷۶) **عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِیْ قَرْیَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِیْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا قَدْ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطَانُ فَعَلَیْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا یَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَةَ .**

(رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: کسی بستی میں یا بادیہ [1] میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ دور رہتی ہے۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو انکو جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کر سکے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت و برکات

۷۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَةً —** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

تشریح...... جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق

[1] بادیہ = وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہو گیا ہو۔ ۱۲

ہوتا ہے اور اس کی بناء پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی عمل کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بناء پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارا اور بڑی محرومی ہے۔

۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو براتیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے برأت اور دوسری نفاق سے برأت۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان و اخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اسکے لیے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جنتی ہے کہ دوزخ کی آنچ سے بھی وہ کبھی آشنا نہ ہوگا۔ اللہ کے بندے صدق دل سے ارادہ اور ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمل خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص تاثیر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب

۷۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا .

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا، پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف)

گیا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرتا ہے اس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جا کر اسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور اس کے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی نادانستہ کوتاہی یا غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے اس کی جماعت فوت نہیں ہوئی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے، جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

کن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں

۸۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّ مَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جو بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، اذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا: لوگو! اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ مؤذن کو حکم فرمادیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش اگر اتنی ہو کہ مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں پانی یا کیچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی پر پڑھ لی جائے، ایسی سب صورتوں میں جماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

۸۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ وَلَا يُعَجِّلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھالے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اس لئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں جاتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے، ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ .　(رواه مسلم)

ترجمہ　حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جب کہ آدمی کو پاخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔　(صحیح مسلم)

۸۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَءْ بِالْخَلَاءِ .　(رواه الترمذى و روى مالك و ابوداؤد والنسائى نحوه)

ترجمہ　حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو استنجے کا تقاضا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے استنجے سے فارغ ہو۔ (جامع ترمذی۔ نیز یہی حدیث مؤطا امام مالک سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے)

تشریح ..... ان حدیثوں میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پاخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ　(الحج ۲۲: ۷۸)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپؐ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے!

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید

۸۴) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ "اقامت صلوٰۃ" جس کا قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

۸۵) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا**

الْقِدَاحِ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَاللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کے نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ :۔ اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔　(صحیح مسلم)

تشریح ..... حدیث کے الفاظ:

حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ

"گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے"

کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اسقدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات سمجھ آ گئی، لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ :۔ اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی، جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلا شبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

۸۶) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِی الصَّلٰوةِ وَیَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِیَلِنِیْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت) ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو، خدانخواستہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) تم میں سے جو دانش مند اور سمجھدار ہیں وہ میرے قریب ہوں، ان کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نمبر اس صفت میں ان کے قریب ہو، اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صف بندی ہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے، ان کے بعد اس لحاظ سے دوسرے درجے والے اور ان کے بعد سوم درجے والے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم و تربیت کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور اونچی صلاحیت والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔

۸۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَی الصَّلٰوةِ فَاِذَا اسْتَوَیْنَا كَبَّرَ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب ہم لوگ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے، اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں، تو آپ تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔ (سنن ابی داؤد)

پہلے اگلی صفیں پوری کی جائیں

۸۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَكُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس سے قریب والی تاکہ جو کمی کسر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے نہ کھڑے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کمی کسر رہے گی وہ سب سے

آخری ہی صف میں رہے گی!

صف اول کی فضیلت

۸۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قال اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِیْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِیْ . (رواه احمد)

ترجمہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا گیا اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے پھر پہلی ہی بات دہرا دی۔ یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا خیر کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی بات دہرا دی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کیلئے بھی؟ تو اس چوتھی دفعہ آپ نے فرمایا اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔ (مسند احمد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعاءِ رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر اور ہماری نگاہوں میں فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے، اس لئے اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر و ثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔"

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے۔ آمین

صفوں کی ترتیب

۹۰) عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَفَّ

الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ اُمَّتِىْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ.. حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا، میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپؐ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپؐ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی، اس کے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں، اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں۔ اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے

(۹۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُوَسِّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ.. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگو! امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو)۔ اور صفوں میں جو خلاء ہو اس کو پر کرو۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

(۹۲) عَنْ جَابِرٍ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّىَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِىْ فَاَدَارَنِىْ حَتّٰى اَقَامَنِىْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ — (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ (یعنی آپؐ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں آ گیا اور (نیت کر کے) آپؐ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر آ گئے، وہ نیت کر کے آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، تو آپؐ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ اس کو داہنی جانب کر لے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آ کر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

۹۳) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يُّصَلِّىْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ . (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت وابصة بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

تشریح..... صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ..... اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جانے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، اور اس صورت میں عنداللہ یہ شخص معذور ہو گا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے

۹۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِىْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِىِّ ﷺ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا ـ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم[1] نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اس کے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سلیم کو رسول اللہ ﷺ ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے، اس لئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

---

[1] یتیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لقب تھا۔ ۱۲

امامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ سے نسبۃً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہو گا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہو گا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہو گا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں، تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہو گا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہو گا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہر حال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق مقتضائے حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب

۹۵) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَ ةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِى السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِى الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِىْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ فِىْ بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ــ (رواه مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس

نے پہلے ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانہ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اسکے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

حدیث کے لفظ اقرأھم لکتاب اللہ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے۔ یعنی لیکن اس کا مطلب نہ تو صرف حفظ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرت تلاوت، بلکہ اس سے مراد ہے حفظ قرآن کے ساتھ اس کا خاص علم اور اس کے ساتھ خاص شغف۔ عہد نبوی میں جو لوگ قراء کہلاتے تھے ان کا یہی امتیاز تھا۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی امامت کے لئے زیادہ اہل اور موزوں وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کے ساتھ شغف و تعلق میں دوسروں پر فائق ہو، اور ظاہر ہے کہ عہد نبویؐ میں یہی سب سے بڑا دینی امتیاز اور فضیلت کا معیار تھا، اور جس کا اس سعادت میں جس قدر زیادہ حصہ تھا وہ اسی قدر رسول اللہ کی خاص وراثت وامانت کا حامل اور امین تھا۔ اس کے بعد سنت و شریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی علم قرآن اور علم سنت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے۔ علم بلا عمل کا وہاں وجود ہی نہیں تھا)

فضیلت کا تیسرا معیار عہد نبوت کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اس لئے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اس لئے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح و تقوے میں فضیلت و فوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔

ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابل ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

حدیث کے آخر میں دو ہدایتیں اور بھی دی گئی ہیں ایک یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امامت و سیادت کے حلقہ میں جائے تو وہاں امامت نہ کرے بلکہ اس کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھے (ہاں اگر وہ شخص خود ہی اصرار کرے تو دوسری بات ہے)۔

اور دوسری یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر جائے تو اسکی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ہاں اگر وہ خود بٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان دونوں ہدایتوں کی حکمت و مصلحت بالکل ظاہر ہے۔

٩٦) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ .**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ تمہارے رب اور مالک کے حضور میں تمہارے نمائندے

ہوتے ہیں۔

تشریح ..... یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اس لئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرض وفات میں جب معذور ہوگئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حق امامت کی جو تفصیلی ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشاء بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اس کو امام بنایا جائے اقراهم لكتاب الله اور اعلمهم بالسنة یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ سے امت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام کی ذمہ داری اور مسئولیت

۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ ضَامِنٌ مَسْئُوْلٌ لِمَا ضَمِنَ وَاِنْ اَحْسَنَ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنْ غَيْرِاَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ ۔ رواه الطبرانى فى الاوسط (كنز العمال)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا، اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔ (معجم اوسط طبرانی)

مقتدیوں کی رعایت

۹۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار

بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

تشریح..... بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے خود رسول اللہ ﷺ جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ انشاء اللہ وہ حدیثیں آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرأت وغیرہ کی مقدار معلوم ہوگی۔

۹۹) **عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجَلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِىْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَاصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَاالْحَاجَةِ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بخدا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (مجبوراً اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (جو میرے بس کی نہیں) حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو وعظ اور خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا۔ پھر اس خطبے میں آپؐ نے فرمایا کہ: تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو دور بھگانے والے ہیں، جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مختصر نماز پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔

تشریح..... یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام طور سے نمازِ عشاء دیر کر کے پڑھتے تھے۔ ایک دن حسب معمول نماز دیر سے

شروع کی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی۔ مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے (جو بیچارے دن بھر کے تھکے ہارے تھے) نیت توڑ کے اپنی الگ نماز پڑھی اور چلے گئے۔ آخر معاملہ حضور تک پہنچا۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا (اے معاذ! کیا تم لوگوں کے لئے باعث فتنہ بننا چاہتے ہو اور ان کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو)۔ آگے اسی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ:-

اور اور اور

یہ سورتیں پڑھا کرو۔ ①

۱۰۰) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّىْ لَاَ دْخُلُ فِى الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِىِّ فَاَتَجَوَّزُ فِىْ صَلٰوتِىْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ (رواه البخارى)

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ کچھ طویل پڑھنے کا ہوتا ہے' پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سُن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے رونے کی آواز سے اس کی ماں کا دل کتنا زیادہ پریشان ہوگا۔

تشریح..... رسول اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھانے کی حالت میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آجاتی ہے تو میں اس خیال سے کہ شاید اس بچے کی ماں جماعت میں شریک ہو اور اس کے رونے سے اس کا دل پریشان ہو رہا ہو' میں نماز مختصر پڑھ کے جلدی ختم کر دیتا ہوں۔

۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَلَا اَتَمَّ صَلٰوةً مِّنَ النَّبِىِّ ﷺ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِىِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔ (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ کی نماز سے ہلکی اور ساتھ ہی مکمل ہو (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی) اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آپؐ سُن لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بیچاری کی نماز خراب ہو)۔

تشریح..... امام کے لئے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی پھلکی بھی ہو اور ساتھ ہی مکمل اور تام بھی۔ یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو جس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر آئیں گی۔

① حضرت معاذؓ کی یہ حدیث آگے قرأت کے بیان میں درج ہوگی۔ ۱۲

مقتدیوں کو ہدایت

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ اِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ — (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہئے۔

مسند بزار میں حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اُس سے ایسا کراتا ہے..... اور حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اُس کو ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کا سر گدھے کا سا نہ کر دیا جائے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

۱۰۳) عَنْ عَلِیٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَتٰی اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ كَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہئے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے۔

۱۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اُسے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً

عطا فرمائیں گے' لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہو گا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہو گا۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

۱۰۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِىْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِى الثَّالِثَةِ اَوْفِى الَّتِىْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ اَرْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِساً (وَفِىْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا) ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِىْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا۔ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اُس نے نماز پڑھی' اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ پھر جا کر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اُس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ تم جا کے پھر نماز پڑھو تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اُس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اس کے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ حضرت (ﷺ)! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا) ..... آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو' پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کرو' پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو' اس کے بعد (جب قرأت کا موقع آجائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو۔ (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں' پھر رکوع سے اُٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (اور ایک راوی نے اس آخری خط کشیدہ جملے کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔

..... یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رفاعہ بن رافع کے بھائی خلاد

بن رافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انہوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہئے نہیں کیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی" اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلادیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا جاننے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اُن صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھی نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا چرچا خوب ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں' قومہ میں' سجدہ میں کیا پڑھا جائے' یہاں تک کہ قعدۂ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ اُن کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع' سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اس کی اصلاح فرمادی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے سجدے سے اُٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: "ثم ارفع حتى تطمئن جالسا" (پھر تم اُٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: "ثم ارفع حتى تستوى قائما" (پھر تم اُٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔ یہ دونوں روایتیں امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں۔ جن ائمہ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہئے (جس کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے) ان کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے' مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا' اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا' تو ایسی نماز نا قابل اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے

(۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاْةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَاْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ قَائِمًا وَّكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرأت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے، اور جب آپ رکوع میں جاتے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کی جانب اُٹھاتے اور نہ نیچے کی جانب جھکاتے، بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی بالکل کمر کے متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک اُٹھاتے تو سجدہ میں اس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب سجدے سے سر مبارک اُٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہیں فرماتے اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے، اور اس وقت اپنے بائیں پاؤں کو نیچے بچھا لیتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے، اور "عقبۃ الشیطان" (یعنی شیطان کی طرح) بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنی باہیں (یعنی کلائیاں کہنیوں تک) زمین پر رکھے جس طرح کہ درندے اپنی کلائیاں زمین پر بچھا کے بیٹھتے ہیں، اور آپ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کے نماز ختم فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اس لئے اس کے لئے قیام، قعود، رکوع و سجود کی وہ شکلیں اور ہیئتیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویریں ہیں، اور ان نامناسب ہیئتوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار یا بے پروائی یا بدمنظری کی شان ہو یا کسی بدفطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔ اس اصول کے تحت رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدہ میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھادے جس طرح کتے اور چیتے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس کو اس حدیث میں "عقبۃ الشیطان" اور ایک دوسری حدیث میں "اقعاء الکلب" فرمایا گیا ہے۔ شارحین اور فقہاء نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے مراد دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے[1]، اور چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلد بازی کی شان ہے، اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنجے ہی زمین سے لگتے ہیں۔ نیز کتے، بھیڑیے وغیرہ درندے بھی اسی طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں، اس

---

[1] "عقبۃ الشیطان" اور "اقعاء" کا جو دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے اگرچہ لغت کے لحاظ سے وہ بھی صحیح ہے لیکن چونکہ کسی جانب سے بیان نمازی کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس طرح نماز میں بیٹھے گا، اس لئے اس ناچیز کے نزدیک اس کو مراد لینا بہت بعید ہے۔ واللہ اعلم

لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔
واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔
چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے' اسلئے کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔
اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انہوں نے اس طرح بیٹھنے کو "سنۃ نبیکم" فرمایا' تو اسکا مطلب بھی بظاہر یہی ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے' ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

۱۰۷) **عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَا اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاَيْتُهٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضَهُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهٖ** — (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد فرمایا کہ) میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے' اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے' پھر اپنی کمر کو پوری طرح موڑ دیتے (اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آ جاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو ان کو زمین پر بچھا دیتے اور نہ ان کو سکیڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سکیڑ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کر اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں رکھ لیتے تھے' لیکن کلائیاں اور کہنیاں زمین سے الگ اور اٹھی رہتی تھیں) اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اسکے نیچے سے)

آگے کی جانب نکال دیتے اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تورّک کہتے ہیں)۔ (رواہ البخاری)

تشریح ...... ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن الحویرث کا بیان ہے کہ "حتی یحاذی بھما اذنیہ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے' لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابل ہوگا' اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور مونڈھوں تک اٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن حجرؓ نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: "رفع یدیہ حتی کانتا بحیال منکبیہ وحاذی ابھامیہ اذنیہ" (آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے' اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آجاتے)۔

حضرت ابو حمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدۂ اخیرہ میں اس طریقے پر بیٹھتے تھے جس کو تورّک کہتے ہیں' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپ کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابوحمید ساعدی نے قعدۂ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں۔ بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے' لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یا یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے کہ اس طرح بھی بیٹھ جا سکتا ہے آپ نے تورّک بھی کیا ...... دوسری رائے اسکے بالکل برعکس بھی ہے ...... اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے مشروع ہیں۔

خاص اذکار اور دعائیں

رسول اللہ ﷺ نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا کرتے تھے اور اس سے جو دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند ان شاء اللہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے ناظرین کو معلوم ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے وہی دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیے اور ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے' یہی دولت عظمیٰ رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص ورثہ ہے۔

۱۰۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاْةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتَكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاْةِ مَاتَقُوْلُ؟ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَايَا

كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ
(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے تھے لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اللّٰھم باعد ... الخ کہ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے دھو ڈال۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ اگرچہ عام معصیتوں اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے لیکن "قربان راتقی بود حیرانی" کے فطری اصول پر آپ ان لغزشوں سے بھی ترساں و لرزاں رہتے تھے جو بربنائے بشریت آپ سے سرزد ہو سکتی تھیں اور معصیت نہ ہونے کے باوجود آپ کی شان عالی اور مقام قرب کے لحاظ سے قابل گرفت ہو سکتی تھیں۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی اس قسم کی دعاؤں میں "خطایا" یا "ذنوب" جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں ان سے اسی قسم کی لغزشیں مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں جو دعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہ ہے کہ اے میرے اللہ! اولاً تو مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دور کر دے جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب سے اور مغرب کو مشرق سے دور رکھا ہے اور بربنائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرما کر اس کے داغ دھبہ سے بھی مجھے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ میل کچیل دور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت ٹھنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کر خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کو بالکل ٹھنڈا کر دے اور اس کے بجائے اپنی رضا کی ٹھنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرما دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کے بعد اور قرأت سے پہلے کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ — (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے۔ سبحانك اللّٰھم وبحمدك ... الخ اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں' میں

تیری حمد کرتا ہوں اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے اور تو ہی معبود برحق ہے تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔ [illegible]

تشریح ..... حافظ مجد الدین ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، دار قطنی کے حوالے سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کا افتتاح سبحانک اللھم وبحمدک [illegible] سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] اللہ [illegible] تکبیر [illegible] کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر یہی سبحانک اللھم [illegible] پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث میں وارد شدہ افتتاح نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی راجح و افضل ہے۔ اگرچہ دوسری [illegible] ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً وہ دعا جو حضرت ابو ہریرہ [illegible] کی روایت سے [illegible] گزر چکی ہے [illegible]

اور اسی طرح وہ دعا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی [illegible] سے اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ [illegible] اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ [illegible] وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَ مُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَ عَصَبِيْ،فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ مِلْاَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَايَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ — (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ وجھت وجھی للذی [illegible] استغفرک واتوب الیک تک (یعنی میں نے اپنا رخ ہر طرف سے یکسو ہو کر اس اللہ کی طرف کر دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ان

میں سے نہیں ہوں جو اس کے تعلق میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔ میری عبادت اور میرا ہر دینی عمل اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا مالک و رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ کیا ہے، اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں معاف کر دے، گناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور برے اخلاق میری طرف سے ہٹا دے اور دور کر دے، ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں اور تیری خدمت و نصرت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ مولا! ہر قسم کی خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اور برائی کا تیری طرف گزر نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے اور تیری ہر طرف میرا رخ ہے، تو برکت والا اور رفعت والا ہے۔ میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں)۔ (یہ دعا تو آپ تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے) پھر جب (قرأت سے فارغ ہو کر) آپ رکوع میں جاتے تو کہتے: "اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ ... وَعَظْمِي وَعَصَبِي" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ میرے کان اور میری آنکھیں اور میرا مغز و استخوان اور میرے رگ پٹھے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں)۔ ... پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سیدھے کھڑے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

... السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ... (یعنی اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے ایسی وسیع اور بے انتہا حمد جس سے آسمان و زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور ان کے درمیان کا سارا خلا پر ہو جائے) اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے ... " تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے حوالے کر دیا ہے۔ میرا چہرہ اپنے اس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں، مبارک ہے بہترین خالق)۔ پھر تشہد یعنی التحیات اور سلام کے درمیان (سب سے آخر میں) آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ ... لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ" تک۔ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپا کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرما دے اور مجھے بخش دے، تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے، یعنی تو جسے چاہے آگے بڑھائے اور جسے چاہے پیچھے ہٹائے۔ تیرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں) ... (صحیح مسلم)

تشریح ... حدیث کے دفاتر میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے متعلق روایات کا جو ذخیرہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع و

سجود اور قومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ روز مرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً آپؐ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلم نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں ان سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضورؐ کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپؐ نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نماز میں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ ﷺ سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی۔ ان سب دعاؤں میں ایک خاص روح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہوگی تو فرض نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس دولت عظمیٰ سے حصہ لینا ہی چاہئے ..... وَفِىْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ

نماز میں قرأت قرآن

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے۔ جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین ماثورہ دعا میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وغیرہ عنقریب ہی مذکور ہو چکی ہیں) اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ صراط مستقیم یعنی دین حق اور شریعت الٰہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے بہر حال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے، اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی، اس کے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے۔ قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یوم آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزا سزا کا ذکر ہوگا، یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اس کی دعاء ہدایت (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا کسی سورۃ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا

چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ [illegible] کے بارے میں آپ ﷺ کا طرز عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

(۱۱۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ ، قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَمَا اَعْلَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْلَنَّاهُ وَمَا اَخْفَاهُ اَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ — (رواہ مسلم)

[illegible] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ آگے حضرت ابوہریرہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے ان میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سناکے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ ﷺ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور تم کو سنا کے نہیں پڑھتے۔ [illegible]

[illegible] اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت قرآن کا رکن ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے ان ہی میں ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

(۱۱۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ .

(رواه البخاری و مسلم وفی روایة لمسلم لمن لم يقرء بام القرآن فصاعدا)

[illegible] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ [illegible]

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

[illegible] اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے، اور اس کے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے

اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نمازی خواہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جہری ہو یا سری ہر حال میں اس کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ اسی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے، لہذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سورۂ فاتحہ لازماً پڑھنا چاہئے۔

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، بلکہ وہ سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کے اس نقطۂ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو آگے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَفَاَنْصِتُوْا . (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتداء اور اتباع کریں لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ [illegible]

تشریح ۔۔۔ امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اور صحابہ کرام نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور وہیں ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ والی اس حدیث کی بھی تصحیح اور توثیق کی ہے اور ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا ماخذ ومنشاء قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے۔

"وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ه"

(اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سنو اور خاموش رہو، شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ)

امام ابو حنیفہ جو سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمد اور امام طحاوی اور امام دار قطنی وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔ موطا امام محمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَ ةَ الْاِمَامِ

لَهُ قِرَاءَةٌ . "

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے۔

تشریح ...... یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ ان معرکۃ الآراء اختلافی مسائل میں سے ہے جن پر ہماری اس صدی میں بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں دونوں طرف سے لکھی گئی ہیں، اور بلا شبہ ان میں بعض تو علم و تحقیق اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ہیں لیکن معارف الحدیث کا یہ سلسلہ امت کے جس طبقہ کے لئے اور جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا جا رہا ہے، یہ مباحث اس کے لحاظ سے نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے مضر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام اختلافی مسائل میں صحیح راہ یہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، دل سے ان کا احترام کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کا مطالعہ اور اس میں غور و فکر کے بعد جو کچھ اپنے نزدیک زیادہ راجح سمجھا ہے نیک نیتی سے اس کو اختیار کر لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی باطل پر نہیں ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ امت کی مصلحت عامہ کی خاطر، جہالت و نفسانیت اور فتنوں کے اس دور میں کسی ایک مسلک سے اپنے کو وابستہ رکھا جائے۔ بہر حال معارف الحدیث کے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی راہ سے بچتے ہوئے چلنے کا التزام کیا گیا ہے۔ الحمدللہ پوری بصیرت و یقین کے ساتھ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مایہ فخر اور استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں اصولی طور پر جو راہ عدل و اعتدال ان اختلافی مسائل کے بارے میں اختیار کی ہے، اس دور میں امت محمدیہ ﷺ کے لیے بس وہی راہ ہے جس کو اپنا لینے کے بعد امت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ سکتا ہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۱۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَ نَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ بَعْدُ تَخْفِيْفًا . (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورۂ ق اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔ (مسلم)

تشریح ...... شارحین نے آخری خط کشیدہ فقرے کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ کی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرامؓ کی تعداد کم تھی، اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نمازیں عموماً

طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَءُ فِى الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" (یعنی سورۂ تکویر) پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح مسلم)

۱۱۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ ﷺ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور سورۂ مؤمنون پڑھنی شروع فرمائی، ابھی آپ اس جگہ تک پہنچے تھے، جہاں حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر ہے کہ آپ کو کھانسی آنے لگی اور آپ نے رکوع فرمادیا۔ (صحیح مسلم)

۱۱۷) عن ابی هريرة قال ان رسول الله ﷺ قرأ فی ركعتی الفجر قل يٰايها الكافرون وقل هو الله احد — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ قل یا ایہا الکافرون اور سورۂ قل ھو اللہ احد پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

۱۱۸) عَنْ مَعَاذِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْجُهَنِىْ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ فِى الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتْ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِىْ اَنَسِىَ اَمْ قَرَأَ ذَالِكَ عَمَدًا (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: معاذ بن عبداللہ الجہنی سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک صاحب نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دفعہ صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ کو اذا زلزلت پڑھتے ہوئے سنا۔ (آگے ان صاحب نے کہا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا یا عمداً آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: چونکہ رسول اللہ ﷺ کا عام دستور دو رکعتوں میں الگ الگ دو سورتیں پڑھنے کا تھا اس لئے جب ایک دفعہ آپ نے دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" پڑھی تو ان صحابی کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا، یا یہ بتانے اور جتانے کے لئے کہ یہ بھی جائز ہے آپ نے عمداً ایسا کیا۔

۱۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی آیات "قُل يٰاَهْلَ الْكِتَاب تعالوا الٰى كلمة سوآء بيننا و بينكم الخ" پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۱۲۰) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاقَتَهٗ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِيْ يَاعُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِيْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِيْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ اِلْتَفَتَ اِلَيَّ قَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَاَيْتَ. (رواه احمد و ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی ناقہ مبارکہ کی مہار پکڑ کر چل رہا تھا، اثناء سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں تعلیم کروں؟ اس کے بعد آپ نے سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔ پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو جب صبح کی نماز کیلئے آپ اترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا۔"

۱۲۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِيْل فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الٓمّٓ تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئی اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قرأت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز بھی قل یایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "الٓم تنزیل السجدہ" اور سورۃ "الدھر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ نے

یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے، اس لئے غالباً آپ اس کی تذکیر اور یاددہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

ظہر و عصر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۲) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُولَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَ یُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ اَحْیَانًا وَ یُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰکَذَا فِی الصُّبْحِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اسکے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے، اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ اور کبھی کبھی (سری نماز میں بھی) ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے، اور پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے، اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے، اور اسی طرح عصر میں، اور اسی طرح فجر میں آپ ﷺ کا معمول تھا۔

تشریح ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سری نماز میں ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبۂ استغراق میں ہو جاتا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کبھی بقصد تعلیم ایسا کرتے ہوں۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورۃ پڑھ رہا ہوں یا اپنے اس عمل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

۱۲۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ بِاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَفِیْ رِوَایَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَفِی الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِی الصُّبْحِ اَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل اذا یغشیٰ پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔

مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ.

(رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حمٓ الدخان پڑھی۔ (سنن نسائی)

۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۲۶) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا . (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت ام الفضل بن الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الاعراف فَرَّقَهَا فِىْ رَكْعَتَيْنِ . (رواه النسائى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح ...... ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "قصار" کہا جاتا ہے، بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس سورۂ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہر حال ان چار حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپؐ کا اکثری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپؐ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپؐ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا، انشاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نماز عشاء میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۸) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ — (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت براء بن عازبؓ نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپ نے اس نماز کی کسی ایک رکعت میں سورۂ والتین پڑھی تھی۔

۱۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّىْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَاْتِىْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ ، فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهٗ وَ انْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَا فَقْتَ يَافُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مَعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ، فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ ؟ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر آ کر اپنے قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انہوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی امامت کی، اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گیا، اور اس نے تنہا اپنی نماز پڑھ لی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی، اور اس دور میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا منافقوں ہی کا طریقہ تھا، اس لئے) لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا، اور اس شخص سے کہا "فلانے! تو منافق تو نہیں ہو گیا ہے؟" اس نے جواب دیا "خدا کی قسم نہیں! اور میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔" چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمارا کام اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچنا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گذشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ عشاء کی نماز آپ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی) تو سورۂ بقرہ شروع کر دی؟" رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ معاذ! کیا لوگوں کو تم فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو، سورۂ والشمس وضحٰہا، سورۂ والضحیٰ، سورۂ واللیل اذا یغشیٰ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔

تشریح اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے مقتدی بن کر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، لیکن جمہور ائمہ و علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کی

اقتداء میں پڑھتے تھے وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے، اسی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض عشاء کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے، اور چونکہ مسجد نبوی [illegible] کی جماعت کے وقت تک وہ رسول اللہ [illegible] کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اس لئے آپؐ کی نماز کی خاص برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپؐ کے ساتھ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف بڑی فاضلانہ فقیہانہ اور محدثانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ اہل علم شروح حدیث [illegible] اور [illegible] میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ ائمہ کو چاہئے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاص کر ضعیفوں، کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

[illegible]

[illegible] **عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَاصَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ [illegible] مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِى الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِى الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ ۔** [illegible]

سلیمان بن یسار تابعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو رسول اللہ [illegible] کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی بہ نسبت"۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے، اور عصر ہلکی ہی پڑھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ [illegible]

[illegible] قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک، پھر اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک کی سورتوں کو [illegible] کہا جاتا ہے، اور بروج سے لے کر سورۂ لم یکن تک کی سورتوں کو [illegible] اور [illegible] سے لے کر آخر تک کی سورتوں کو [illegible] کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ان صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جنکے متعلق حضرت ابو ہریرہ کا یہ بیان ہے کہ:

"ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی، اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضور ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔"

بہر حال ان صاحب کا نام نہ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، مگر شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

"كَتَبَ عُمَرُ اِلٰى اَبِىْ مُوْسٰى اَنِ اقْرَاْ فِى الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِى الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَ فِى الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ". (نصب الرایہ)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی القراءۃ فی الظہر و العصر)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہوگی، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی تعلیم سے انہوں نے ایسا ہی سمجھا ہوگا۔ اسی بناء پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کو خاص راہنما مان کر اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۳۱) **عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاهُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِى السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِى الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَاُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ -** (رواہ مسلم)

رسول اللہ کے مشہور غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن ابی رافع (جو اکابر تابعین میں ہیں) بیان کرتے ہیں کہ مروان (جس زمانہ میں کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) حج وغیرہ کسی ضرورت سے مکہ معظمہ گیا، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو (ان دونوں کے لئے) اپنا قائم مقام بنا گیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو اس کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

۱۳۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَ فِى الْجُمْعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ' قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمْعَةُ فِى يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِى الصَّلٰوتَيْنِ –

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلی اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے۔

۱۳۳) عن عبيدالله ان عمر بن الخطاب سأل اباواقد الليثى ماكان يقرأ به رسول الله ﷺ فى الاضحى والفطر فقال يقرأ فيهما بق والقران المجيد واقتربت الساعة . (رواه مسلم)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) عبیداللہ بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ "عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ کیا پڑھتے تھے؟" [1]

انہوں نے فرمایا کہ: "آپ ان دونوں میں "ق والقران المجید" اور "اقتربت الساعۃ" پڑھا کرتے تھے"۔

تشریح ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورۂ اعلیٰ، غاشیہ پڑھا کرتے تھے یا "ق والقران المجید" اور "اقتربت الساعۃ"۔

نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور جو کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہوں گی۔

[1] بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال نہ تو ناواقفیت کی وجہ سے تھا اور نہ بھول کی وجہ سے، دونوں ہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مستبعد ہیں اس لئے اس سوال کا مقصد یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم اور ان کی یادداشت کا حال معلوم کرنا تھا یا ان کی زبان سے دوسروں کو سنوانا تھا، یا خود اپنے علم کی توثیق مقصود تھی۔ واللہ اعلم

آپؐ کا اکثر معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طوال مفصل پڑھتے تھے، ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی عشاء میں اوساط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپؐ نے حکم دیا، اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپؐ سے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں:

وقد اختار رسول الله ﷺ بعض السور فی بعض الصلوات لفوائد من غير حتم ولا طلب مؤكد فمن اتبع فقد احسن ومن لا فلا حرج

رسول اللہ ﷺ نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن قطعی طور پر نہ ان کی تعیین کی نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپؐ کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعا کی تمہید ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ختم پر کہنے کی ہدایت فرمائی ہے، اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

۱۳۴ **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَامِيْنُهٗ تَامِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام (سورۂ فاتحہ کے ختم پر) کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہے۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا

مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اسی وقت آمین کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۲۰) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوا اٰمِيْن يُجِبْكُمُ اللّٰهُ .

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو، پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں مانگی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرمالے گا۔

آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے، اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کرلے اس لئے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرمادے اور میری دعا قبول فرمالے۔ اس طرح یہ مختصر سا لفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابوزہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک رات ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ چلے جارہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزرنا ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگادے تو یہ ضرور قبول کرالے گا۔ آپؐ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپؐ نے فرمایا کہ آمین کی مہر"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دعا کی قبولیت کی خاص امید کی جاسکتی ہے۔

نماز میں امین بالجہر کہی جائے یا بالسر! یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بن گیا ہے، حالانکہ کوئی باانصاف صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور سر کی بھی، اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ اور تابعین دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسر کہنے والے بھی [1]، اور یہ بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ سے

[1] ابن الترکمانی نے طبری سے نقل کیا ہے: والصواب ان الخبرين بالجهر بها والمخافة صحيحان و عمل بكل من فعليه جماعة من العلماء۔

دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپ کے زمانہ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپ کے زمانہ میں کبھی آمین بالجہر نہ کہی گئی ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ جہر سے کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپ کے دور میں اور آپ کے سامنے آمین بالسر پر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ ایسا کرنے لگے ہوں۔ الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جانا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح عمل ہوا ہے۔ بعد میں بعض ائمہ مجتہدین نے اپنے علم و تحقیق کی بناء پر یہ سمجھا کہ آمین میں اصل جہر ہے اور عہد نبوی میں زیادہ تر عمل اسی پر تھا اگرچہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا اس لئے ان حضرات نے آمین بالجہر کو افضل کہا اور بالسر کو بھی جائز کہا، اور اس کے برعکس دوسرے بعض ائمہ نے اپنے معلومات کی بناء پر یہ سمجھا کہ آمین جو قرآن کا لفظ بھی نہیں ہے دراصل وہ بالسر یعنی آہستہ سے کہنے کی چیز ہے اور رسول اللہ کے دور میں عام طور سے آہستہ ہی کہا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی بالجہر بھی کہا جاتا تھا۔ الغرض جن ائمہ کی تحقیق اور غور و فکر نے ان کو اس نتیجہ پر پہنچایا ان کی رائے یہ ہوئی کہ اصل اور افضل بالسر کہنا ہی ہے لیکن جائز بالجہر بھی ہے۔ بہر حال ائمہ کے درمیان اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جواز سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور یقیناً ہمارے ائمہ سلف میں سے ہر ایک نے وہی رائے قائم کی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے جس کو انہوں نے دیانتدارانہ غور و فکر اور تحقیق کے بعد زیادہ صحیح سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور ہم سب کو اتباع حق اور عدل کی توفیق دے۔

بالکل یہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے، اس میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت۔ بلکہ سجدے سے اٹھتے وقت، اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی۔ رفع یدین کیا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، وائل بن حجر اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعین میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اس لئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۳۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَمَنْكِبَيْهِ اِذَا فَتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذَالِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَايَفْعَلُ ذَالِكَ فِى السُّجُوْدِ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اسیطرح جب رکوع سے اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمر کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر کے اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر کے اس بیان میں کہ آپؐ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایسا آپؐ نے کبھی کبھی کیا جس کو مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمر نے اتفاق سے نہیں دیکھا اس لئے اپنے علم کے مطابق انہوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپؐ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

١٣٧) عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّي بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي اَوَّلِ مَرَّةٍ . (رواه الترمذى و ابو داؤد و النسائى)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اس نماز میں انہوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔

تشریح..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں، انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھائی، اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے

وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ کا دائمی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ جو آپ کے قریب صف اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے اور تعلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر منصف صاحب علم اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ رسول اللہ کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ نے آپ کی نماز کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمرؓ جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی مندرجہ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابہ کرام سے بھی رفع یدین کی احادیث روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ:

> "رسول اللہ کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں یعنی انہوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔"

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براء بن عازبؓ کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذی نے لکھا ہے کہ:

> "متعدد صحابہؓ اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔"

الغرض آمین بالجہر اور آمین بالسر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ترجیح و اختیار میں اختلاف اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان اور ادراک اور رسول اللہ کے معمولات کے مطالعہ و تجزیہ کی بناء پر یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس کے برعکس سمجھا، اور حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور رائے کا یہ اختلاف بھی صرف

فضیلت میں ہوا، رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ غلو اور ناانصافی سے حفاظت فرمائے اور اتباع حق کی توفیق دے۔

نماز کیا ہے؟ ... اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیاز مندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ ...... قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اس سب کی روح یہی ہے، لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال و اجزاء میں رکوع و سجود ہیں ... سر اونچا رکھنا، تکبیر، یعنی برتری اور بالاتری کے احساس کی علامت ہے، اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے۔ اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق و مالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

۱۳۸ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُجْزِیْ صَلوٰۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَهْرَهٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ......

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی (یعنی پوری طرح ادا نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔

۱۳۹ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِي الْحَنَفِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّوَ جَلَّ اِلٰی صَلوٰۃِ عَبْدٍ لَا یُقِیْمُ فِیْهَا صُلْبَهٗ بَیْنَ خُشُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا –

حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اسکی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔

...... نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اسکے نزدیک قابل قبول نہیں،

ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے ..... ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا، اس کی نماز قبول نہیں ہو گی، یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

۱۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ. [illegible]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجدہ اعتدال کیساتھ کرو اور کوئی اپنی بانہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھادے جس طرح کتا زمین پر بانہیں بچھا دیتا ہے۔

(تشریح) سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھا لیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

۱۴۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ. [illegible]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ۔

۱۴۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ بْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ — (رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھول دیتے تھے، (یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے) یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آ سکتی تھی۔

۱۴۳) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ...... (رواه ابو داؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه)

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا ہے کہ جب آپؐ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، اور جب آپؐ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے برعکس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

١٤٤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں)۔ پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے کہلاتے ہیں۔ سجدے میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہئے۔ بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں، یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور روح کے منافی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

١٤٥ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ .

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدے میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں سجدے میں کہا کرو)۔

١٤٦ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى .

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ رکوع میں اور سجدے میں کہتے تھے۔

١٤٧ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْتَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْتَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ .

عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ : جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ اس کا ادنی درجہ ہوا، اسی طرح جب اپنے سجدے میں ۳ بار کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کا ادنی درجہ ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع اور سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کامل ادائیگی کے لئے کم سے کم ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے، اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا زیادہ طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث ہو۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضور کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ بھی رکوع و سجود میں تقریباً دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے۔

مندرجہ بالا تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی اور یہی آپ کا معمول بھی تھا، لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

۱۴۸ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ كَانَ يَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهِ وَ سُجُوْدِهِ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ رکوع اور سجود میں کہتے تھے (نہایت پاک اور مقدس و منزہ ہے پروردگار ملائکہ کا اور روح کا)۔

۱۴۹ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهِ وَ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے ۔ (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔ آپ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ کا مطلب یہ ہے کہ سورہ

میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور سجدے میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اقتدا اور پیروی ہم سب کو نصیب فرمائے۔

۱۵۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ —

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلووں پر پڑا، اس وقت آپ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثناء و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔

۱۵۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ —

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے اللهم اغفرلي ذنبي كله (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔

بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے امت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

۱۵۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِیْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ یُّسْتَجَابَ لَكُمْ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔

قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے۔ لیکن اس کا محل قیام ہے اور کلام الٰہی و فرمان خداوندی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع و سجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سر افگندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی مدت العمر یہی رہا اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے سجدے میں ... کہنے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اس کے محامد اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے اور اسی بناء پر ایک حدیث میں ... کو افضل الدعا کہا گیا ہے۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے ... بھی ایک دعائیہ کلمہ ہے اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اس کا سجدہ بھی دعا سے خالی نہیں ہے لیکن سجدے کی جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے منقول و ماثور ہیں (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہیں) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے انکی شان کچھ اور ہی ہے۔

۱۵۳ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِیْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهٗ یُدْخِلُنِیَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ

بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ بِهَا عَنْكَ خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَاالدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَ مَا قَالَ ثَوْبَانُ . (رواہ مسلم)

معدان بن طلحہ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمادے! انھوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے دوبارہ وہی سوال کیا انہوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو، جو سجدہ بھی تم اللہ کے لئے کرو گے اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس کی وجہ سے ضرور معاف ہوگا۔ معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابی حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں حاضری کا مجھے موقع ملا تو ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا، انہوں نے بالکل وہی بتایا جو حضرت ثوبانؓ نے فرمایا تھا۔

۱۵۴) **عَنْ رَبِيْعَةَ بنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ اَوْغَيْرَ ذٰلِكَ ؟ قُلْتُ هُوَ ذٰلِكَ ، قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ .** (رواہ مسلم)

ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ: میں ایک رات کو حضور ﷺ کے ساتھ اور آپؐ کی خدمت میں تھا (جب آپؐ تہجد کے لئے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے (مسرت اور انبساط کے خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا: "ربیعہ کچھ مانگو" (آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اس وقت مانگ لو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کروں گا، اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کردے گا)۔ ربیعہؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا:۔ یہی یا اس کے سوا کچھ اور؟۔ میں نے عرض کیا:۔ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔

تشریح..... مقربین بارگاہ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمت حق متوجہ ہے، اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے ربیعہ بن مالک کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ سَلْ (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انہوں نے اس کے جواب میں

مانگی، اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ "مجھے تو بس یہی چاہئے اس کے سوا کچھ نہیں" تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ: (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپؐ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہٰذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دعا کو قوت پہنچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرت سجود سے مراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہ کی رفاقت حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان واجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے اس لئے بجائے کثرت صلوٰۃ کے کثرت سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ کا حکم ہے، اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مشروع ہے، ان دونوں کے بارے میں رسول اللہ کی ہدایت اور آپؐ کا معمول ذیل کی حدیثوں میں پڑھئے۔

۱۵۵ **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) کہے (اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی) تو تم (مقتدی لوگ) کہو (اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے) تو جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے کے موافق ہو گا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

نماز با جماعت میں جب امام رکوع سے اٹھتے ہوئے کہتا ہے تو اللہ کے فرشتے بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ اس موقع پر وہ بھی یہی کلمہ کہا کریں اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ کلمہ فرشتوں کے کلمہ کے موافق اور مطابق ہو گا۔ اس کلمہ کی برکت سے ان کے پچھلے قصور معاف ہو جائیں گے۔ موافق اور مطابق ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ بالکل ان کے ساتھ ہو آگے پیچھے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

یہ بات اس معارف الحدیث ہی کے سلسلہ میں بار بار لکھی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی خاص عمل

کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے اس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبائر کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معافی اصولی طور پر توبہ سے وابستہ ہے، یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ جس کے چاہے محض اپنے کرم سے بخش دے۔

۱۵۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ

اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے اتنی کہ جس سے زمین آسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قومہ میں یہی دعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کبھی صرف اللہم ربنا لک الحمد کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۵۷) **عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّى وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَ هُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّ ثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَّبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلًا .** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا سمع اللہ لمن حمدہ تو آپؐ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا:

ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ۔ اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے ہی ساری حمد، بہت زیادہ حمد، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تیس سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حدیث میں اس کلمہ "ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا" کے لکھنے کے لئے تیس سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اس نے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ۔

(رواه النسائى، والدارمى)

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے۔ "رب اغفرلی" — "اے اللہ! میری مغفرت فرما"۔ (سنن نسائی، سنن دارمی)

۱۵۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ وَاهْدِنِىْ وَعَافِنِىْ وَارْزُقْنِىْ ۔ (رواه ابو داؤد و الترمذى)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کرتے تھے، "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت کی نعمت سے نواز، مجھے معاف فرمادے اور میری روزی کی کفالت فرما۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلُ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلُ قَدْ اَوْهَمَ ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپؐ کو سہو ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپؐ کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روز مرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو، تو حضورؐ

ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرز عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اسکے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اس کو قعدہ اولی کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کسطرح قعدہ فرماتے تھے، اور اسمیں کیا پڑھنے کی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کسطرح نماز ختم کرنی چاہئے

قعدہ کا صحیح اور مسنون طریقہ

۱۶۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِيَ الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَدُهُ الْيُسْرىٰ عَلٰى رُكْبَتِهٖ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بایاں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دراز ہوتا تھا (یعنی اس سے آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اشهد ان لا اله الا الله کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جا رہی ہو، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپؐ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے واتبعها بصره۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے:

لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ

انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کے لئے لوہے کی دھار دار چھری اور تلوار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

۱۶۲) عَنْ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرىٰ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِى الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِىْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِىَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَاىَ لَا تَحْمِلَانِّى — (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے۔ (کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اسیطرح چہار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اسوقت بالکل نو عمر تھا، تو والد ماجد نے مجھے اسطرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرو، اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ خود آپ جو چہار زانو بیٹھتے ہیں؟۔ انہوں نے فرمایا کہ۔ (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، یہ انہیں کا واقعہ ہے جو مذکور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ۸۴ سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۶ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اخیر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے وہ نماز میں سنت کے مطابق اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس وجہ سے مجبوراً چہار زانو بیٹھنا پڑتا تھا (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی خاص تکلیف تھی اس کی وجہ سے وہ قعدہ میں سنت کے مطابق بیٹھنے سے معذور تھے) بہر حال ان کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی صرف ان کی تقلید اور پیروی میں ان ہی کی طرح چہار زانو بیٹھنا شروع کر دیا (اگرچہ وہ اس وقت بقول خود بوڑھے نہیں بلکہ نو عمر اور نوجوان تھے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو منع فرمایا اور بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کیا جائے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھا جائے اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں معذوری کی وجہ سے چہار زانو بیٹھتا ہوں، میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری الفاظ (میری دونوں پاؤں میرا بوجھ نہیں سہار سکتے) سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزدیک قعدہ کا مسنون طریقہ وہ تھا جس میں آدمی کے جسم کا بوجھ اس کے دونوں پاؤں پر رہتا ہے، اور وہ وہی ہے جس کو کہتے ہیں اور جو ہم لوگوں کا معمول ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیر عنوان "نماز کس طرح پڑھی جائے" حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ کا ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ اور شارحین حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدہ اولیٰ میں اختصار اور ...

۱۶۳) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضَفِ حَتّٰى يَقُوْمَ . (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدہ اولیٰ فرماتے تھے تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے) جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

تشریح ... حضور ﷺ کے اس دوامی طرز عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد

۱۶۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّشَهُّدَ كَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِى السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا) التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات الخ (ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)۔ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔

تشریح ... رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے، لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپ نے نذرانہ، عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

آپ ﷺ نے جواباً عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ

اسکے بعد (عہد ایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے السلام علیک ایہا النبی میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اس کے السلام علی النبی کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی السلام علیک ایہا النبی حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہ خطاب سے حضور ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی ناآشنا ہیں۔

درود شریف

درود شریف کی حکمت

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے، اس لئے یہ امت

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنون احسان آنحضرت ﷺ کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق ومالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت و رأفت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔ درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہار وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے، اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہر حال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دعا گو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب ۳۳: ۵۰)

اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی پر، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ـ آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھا جائے۔)

اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) کے نزول کے وقت بھی صحابہ کرامؓ کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزو اخیر قعدۂ اخیرہ ہے۔

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اسکو عرض کروں گا۔ اب حدیث پڑھئے!!

۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

(رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتادیا ہے کہ ہم تشہد میں السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبركاته کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ـ "اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔" [illegible]

تشریح ..... جیسا کہ سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی

بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:

كَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِى صَلوتِنَا [1]

حضرت (ﷺ)! ہم جب نماز میں آپ (ﷺ) پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّى عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ [2]

آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہو گی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہئے۔

بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔ اسکے بعد انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں "آل" کا مطلب

اس درود میں 'آل' کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے 'آل' ان کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت [3] کا (جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین)۔ اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن آگے حضرت ابو حمید

---

[1] ابو مسعودؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اذا نحن صلینا علیک فی صلوتنا۔ ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۷۵ — وفتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ص ۳۰۵ پ ۱۹)

[2] فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوۃ علی النبی ﷺ ص ۵۵ پ ۲۶۔ ۱۲

[3] امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں ویستعمل فیمن یختص بالانسان اختصاصاً ذاتیا اما بقرابة قريبة او بموالاة قال عزوجل (و ال ابراهيم و ال عمران) وقال (ادخلوا ال فرعون اشد العذاب) ص ۳۰۔ ۱۲

ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "آل" سے مراد آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ نُصَلِّی عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْلُوْا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ( )! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آل ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔

اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔

اس حدیث میں بجائے آل کے کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت سے قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف ان کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں ان سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح درود سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے، اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ امت میں سب سے افضل ہوں۔ اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ اہل عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں، تو ان کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اس کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں۔ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کیشی کا نذرانہ ہے، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد ﷺ کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے لئے اور آپؐ کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپؐ کی ذریت طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبۂ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی کیلئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابۂ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائے۔

یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابل ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ "کتاب الاذکار والدعوات" میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ "صلوٰۃ وسلام" کے جو اور صیغے آنحضرت ﷺ سے قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ اَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهُ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْبِهٖ

یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا اسے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کر لے، اور اللہ سے وہی دعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت ﷺ سے تعلیماً بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپ ﷺ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائیں ہیں۔ اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

۱۶۷) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِّنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کی آزمائش سے، اور (۴) دجال کے شر سے۔ (صحیح مسلم)

۱۶۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو: اللّٰهم انی اعوذ بک ...... یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں دجال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... یہ دعا جیسے کہ ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بدبختیوں سے حفاظت کے لئے بڑی جامع دعا ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابل تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ اس کے بعد دجال کے فتنہ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے، جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اس کے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس موقع کے لئے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔ اسی دعا کے بارے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے، بلکہ اس میں مندرجہ بالا دعا کے بالکل آخر میں یہ

اضافہ بھی ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے اور قرض کے بارے"

بہتر ہے کہ یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِهٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا یوں عرض کیا کرو اللهم انی ظلمت نفسی ...... (اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے (یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے)۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں تو صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، مگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا: "تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔" (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست کی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی۔ غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث "باب الدعاء قبل السلام" کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً امت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری امت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں نماز میں (یعنی اس کے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ ﷺ اس کے جواب میں ان کو یہ دعا

تعلیم فرماتے ہیں۔ گویا آپؐ نے ان کو بتایا کہ اے ابو بکرؓ! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصوروار اور خطاکار قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی گناہگاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گناہگار کو عطا فرمادے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمادے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں۔ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

خاتمۂ نماز کا سلام

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اس کے اختتام کے لئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تلقین فرمایا ہے، اور بلا شبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جا سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو، لہٰذا اختتام کیلئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتی کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے۔ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کر لے، تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اسلئے اب وہ ان کی طرف رخ کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد سلام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے

(۱۷۰) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا

التَّسْلِيْمُ . (رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طہارت (یعنی وضو) نماز کی کنجی ہے، اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اسکی بندشیں کھولنے کا ذریعہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہنا ہے۔ [illegible]

تشریح...... اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں:-

۱) اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور باوضو ہونا اس کی کنجی یعنی اس کی مقدم شرط ہے، اس کے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے، اس کے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام، جن کی اجازت تھی، وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو [illegible] کہتے ہیں۔

۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں [illegible] کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

۱۷۱) **عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا تھا کہ آپؐ سلام پھیرتے وقت داہنی جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے تھے اور چہرہ مبارک کو داہنی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔ [illegible]

تشریح...... یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے، یا جن دعاؤں کی آپؐ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپؐ نے امت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپؐ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

۱۷۲) **عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ .** (رواہ الترمذی)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ : حضرت ( )! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے ؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے)؟ آپ نے فرمایا آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے)اور فرض نمازوں کے بعد۔

۱۷۳) **عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَاتَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ "رَبِّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"** . (رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے ؟۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ( )!مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا(تو اس محبت کی بناء پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ)ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کیا کرو،اور کبھی اسے نہ چھوڑو "رب اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک" (اے پروردگار!میری مدد فرما،اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی،اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔

۱۷۴) **عَنْ ثَوْبَانَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلوٰتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَّقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ** . (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمہ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کے بعد کہتے: اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔ (اے اللہ! تو ہی سالم ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے،حوادث و آفات سے،ہر قسم کے تغیر وزوال سے)اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے،اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے)تو برکت والا ہے۔اے بزرگی و برتری والے تعظیم واکرام والے۔

تشریح..... حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے استغفر اللہ ، استغفر اللہ ، استغفر اللہ یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصور اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر وعاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی :۔ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا

ذالجلال والاکرام۔ عوام میں اس دعا کے اندر منت السلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے۔ والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا الجنة دار السلام محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له..... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے۔اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے دے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے تو دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۱۷۶) عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَوِ الصَّلَوَاتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ. (رواه مسلم)

ترجمہ۔ ابو الزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك ..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اسی کی ہیں، فضل و احسان اسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اسی کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مغیرہ بن شعبہؓ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیرؓ کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپؐ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح جس نے جو سنا وہ

نقل کر دیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۱۷۷) عَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ . اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اللهم انی اعوذ بك من الجبن۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قوی صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔ (صحیح بخاری)

۱۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْئٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِالْبَحْرِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ، سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہوگئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو على كل شىء قدير تو اس کی سب خطائیں معاف کردی جائیں گی، اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سبحان الله الحمد لله اور الله اکبر ان تین کلموں کا عدد ۳۳، ۳۳ بتایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایت میں سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳، ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اس طرح دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے۔ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں عرف عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح "کتاب الدعوات" میں کی جائے گی۔

۱۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَايَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہتے: اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (اے اللہ! تو سالم ہے۔ یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے۔ اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم و اکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللّٰهم انت السلام کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اُٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللّٰهم انت السلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:

ضروری ہے کہ یہ دعائیں اور اذکار [illegible] (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے ..... اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے ..... رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ "آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام ..... کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے" تو اس کی کئی توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اس کے بعد نشست بدل دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام ..... پڑھ کے اٹھ جاتے تھے اور ایسا آپ غالباً اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے یہ معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی ص ۱۲)

فائدہ ..... سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ حتی کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے، امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

سنتیں اور نوافل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکن رکین اور لازمہ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لئے آپ ﷺ نے تاکیدی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا ان کو عرف عام میں ... کہا جاتا ہے اور ان کے ما سوا کو ... (نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو ... کہا گیا ہے)۔

پھر جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربار عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور ملاء اعلیٰ سے ایک قرب و مناسبت پیدا کر لی جائے۔ اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ان کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اس کا کچھ تدارک بعد والی ان سنتوں اور نفلوں سے ہو جائے۔ (بطور جملہ معترضہ کے یہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحۃً منع کیا گیا ہے، اس کی کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی)

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً دن میں ... اور رات میں ... یہ دراصل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل سے متعلق حدیثیں پڑھئے:۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ (رواہ الترمذی)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی

تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔

(حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے)۔

تشریح..... اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ: "آپ ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے، اس کے بعد جا کر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے"۔ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

(۱۸۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں، ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المومنین حفصہؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔

تشریح..... اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اس لئے ان کو سنت مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

۱۸۲) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا .** (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ "دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے" اس سب سے زیادہ قیمتی اور کار آمد ہے۔ دنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ انشاء اللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

۱۸۳) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَعُوْ هُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ** – (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگر چہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)۔ (سنن ابی داؤد)

۱۸۴) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْئٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۸۵) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ .** (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن و نوافل کی فضیلت

۱۸۶) **عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ.** (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے، یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(۱۸۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔

تشریح ... ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ.

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ ﷺ سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظہر کے بعد مؤکد سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے اور چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان مؤکدہ دو رکعت کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

ف ... ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے۔ لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہوکے پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ملے گا۔

(۱۸۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا -

ترجمہ ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی رحمت اس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔

تشریح ... عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپ کا ترغیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

(۱۹۰) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَاَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّىْ بَعْدَالْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَاَيْتُ حَبِيْبِىْ ﷺ يُصَلِّىْ بَعْدَالْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ

سِتَّ رَكْعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِالْبَحْرِ . (رواه الطبرانی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمارؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسرؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب ﷺ کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (طبرانی)

مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے۔ ان کے علاوہ ۴ رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو ۶ ہو جائیں گی، اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ اَوْسِتَّ رَكْعَاتٍ . (رواه ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے چار رکعتیں یا چھ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔

عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر حضرت ام حبیبہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں کیا جا چکا ہے۔ غالباً ایسا معمول تھا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد اور آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ چار رکعت یا کبھی دو رکعت مزید نفل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

وتر

۱۴۲ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌلَّكُمْ مِنْ حُمْرِالنَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ .

(رواه الترمذی و ابوداؤد)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (کاشانۂ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نماز عشاء کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جا سکتی ہے)۔

۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپؐ نے فرمایا: "نماز وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

۱۹۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْنَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ اَوِاسْتَيْقَظَ ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے، تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے، تو اسی وقت پڑھ لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۱۹۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِالَّيْلِ وِتْرًا ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو)۔ (صحیح مسلم)

۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَاللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذَالِكَ اَفْضَلُ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ اٹھ نہ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لئے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے کہ جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے، اور

جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے وہ چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔"

۱۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَثَلٰثٍ وَثَمَانٍ وَثَلٰثٍ وَعَشْرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ: چار اور تین اور چھ اور تین اور آٹھ اور تین اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... بعض صحابہ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت

۱۹۸) عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَىِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:۔ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپ ﷺ "سبح اسم ربك الاعلى" پڑھتے تھے اور دوسری میں قل يا يها الكفرون اور تیری رکعت میں قل هو الله احد اور معوذتين (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى دوسری میں قل يا يها الكفرون اور تیسری رکعت

میں پڑھنا رسول اللہ سے حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں پڑھنے کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ معوذتین بھی۔ واللہ اعلم

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِىْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ فِىْ مَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِىْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِىْ فِىْ مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِىْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِىْ شَرَّ مَاقَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِىْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں۔ اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے، اور میرا متولی اور کارساز بن جا ان بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے، اور مجھے برکت دے ان تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اپنے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) اور رحمت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اے ہمارے مالک اور پروردگار۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح..... اس قنوت کی بعض روایات میں کے بعد بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں۔ اور بعض روایات میں کے بعد بھی روایت کیا گیا ہے۔ یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد اس درود کا بھی اضافہ ہے

(اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے، اپنے نبی پاک پر)۔ اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے۔ حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اس کو امام ابن ابی شیبہ اور امام طحاویؒ وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ والی یہ قنوت بھی پڑھی جائے۔

(۲۰۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِي اٰخِرِ وِتْرِهٖ . اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ . (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثنا صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا صفت بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت و عنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے"۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ ﷺ کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہر حال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

(۲۰۱) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ (رواه ابو داؤد والنسائی وزاد "ثلث مرات يطيل")

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تھے تو کہتے تھے سبحان الملك القدوس۔

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے، اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ "ويرفع صوته بالثالثة" یعنی آپ ﷺ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعتیں

(۲۰۲) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّیْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ . (رواه الترمذی وزاد ابن ماجه خفيفتين وهو جالس)

ترجمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔

(جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح...... وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ انہی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے، وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں، ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد۔ اس کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا (رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ

دبانے والا عمل ہے اور اس وقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے)۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

"تَتَجَا فٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا"

(ان کے پہلو (اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی امید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

"وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"

اور اے نبی (ﷺ) آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے) یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا۔

"مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے!

۲۰۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَلَهٗ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا مالک اور رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور

اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ اور استویٰ علی العرش اور اس کے عام صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود ان کو دعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔ جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اس وقت بستر پر سوتے رہنا اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جتنا دوسروں کے لیے اسوقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بےچین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

(۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقْرَبُ مَایَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ یَذْكُرُ اللّٰهَ فِیْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ (رواہ الترمذی)

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضاء سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد)۔ (صحیح مسلم)

(۲۰۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَیْكُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ اِلٰی رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّیِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں اول یہ کہ وہ دور قدیم سے اللہ کے

نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقریب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ جواب میں فرمایا: تاهت العبارات و فنيت الاشارت وما نفعنا الا ركعات صليناها في جوف الليل" (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات اور اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔)

۲۰۷) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپؐ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسان عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ باآنکہ آپؐ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے آپ کا چلنا پھرنا حتی کہ سونا بھی کار ثواب تھا، لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اس میں آپؐ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابت رسولؐ کے مدعیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

عقیدۂ عصمت اور رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے، اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپؐ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ

بن ام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورۂ تحریم اور سورۂ عبس میں آپؐ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔ بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں۔ لیکن

"قربالں لا بیش بود حیرانی"

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکر مند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکرمند نہیں ہوتے۔ پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

٢٠٨) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ اِمْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِىْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِىْ وَجْهِهِ الْمَاءَ . (رواه ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔

تشریح...... اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپؐ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا یہی حال تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ طرز عمل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہوگا بلکہ انشاءاللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا۔ بہر حال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے، اور حضور ﷺ کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو

اس کے اہل ہوں، اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا ثواب

۲۰۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَيْئٍ مِنْهُ فَقَرَأَهٗ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّيْلِ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو سو تارہ گیا اپنے مقررہ ورد سے یا اس کے کسی جز سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کرلیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا، اور وہ کسی رات سو تارہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جزو فوت ہو جائے، تو اگر وہ اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

۲۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجْعٍ اَوْغَيْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے

۲۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنت فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپؐ کا اکثری معمول تھا ورنہ خود حضرت عائشہؓ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ اس سے بھی کم پڑھتے تھے۔

۲۱۲) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (کہ آپؐ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ:۔ سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہؓ کی اس حدیث مذکور ہے جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی بعض تفصیلات

۲۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اسکے بعد طویل قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ: "اذا قام من الليل ليصلي افتتح صلوته بركعتين خفيفتين ." (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

۲۱۴) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكْعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ فَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ ﷺ اٹھے، اور آپؐ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپؐ اس وقت (سورۂ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے۔ ان في

خلق السموات والارض۔ (ختم سورت تک) پھر آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپؐ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لئے) سوگئے، یہاں تک کہ آپؐ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا، اس کے بعد آپؐ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپؐ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپؐ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کے آخر کی وہ آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر آپؐ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی۔ پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپؐ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپؐ یہ دعا فرما رہے تھے۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَّفِي لِسَانِي نُوْرًا　(اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، اور میری زبان میں نور پیدا فرما، اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کردے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کردے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرمادے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے، اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ آل عمران کی آخری آیتیں آپؐ نے سو کے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نوری: اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا۔ آپؐ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضور ﷺ کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپؐ نے اتفاقاً ایسا کیا ہوگا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحۃً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانوں میں تطبیق اسی طرح دی جاسکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں نو دعائیہ کلمے ہیں، بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں۔ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرمادے اور مجھے از سر تا پا نور بنادے، اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کردے۔ قرآن مجید کی آیت "اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ

ہوگا کہ میرا وجود اور گردوپیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔صبغة الله ومن احسن من الله صبغة

۲۱۵) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْواً مِنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِالْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپؐ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا: الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر ذو الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة "(اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا، تو آپؐ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپؐ نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپؐ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا: سبحان ربي العظيم پھر آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا: لربي الحمد (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے) اس کے بعد آپؐ نے سجدہ کیا تو آپؐ کا سجدہ قیام ہی کی طرح طویل تھا اور آپؐ سجدے میں کہتے تھے: سبحان ربي الاعلى ۔ پھر آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپؐ اپنے سجدے کی طرح یعنی قریباً اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے: رب اغفرلي، رب اغفرلي (اے میرے رب میری مغفرت فرما! اے میرے مالک مجھے معاف کردے) آپؐ نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں۔ (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبۃ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرۃ نے چوتھی رکعت میں سورۂ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا یا سورۂ انعام پڑھنے کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے ایک رات کی آپؐ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپؐ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ

آلِ عمران پڑھیں۔ اور اس کے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً نساء اور مائدہ) پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثناء قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح رہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

۲۱۶) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم.** (رواہ النسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور وہ (سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی) یہ آیت تھی ان تعذبهم فانهم عبادك ... الآیۃ"۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپؐ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ "ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم" یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جزء ہے۔ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنالینا؟ حضرت عیسیٰؑ اس کے جواب میں ایسی بات سے اپنی قطعی برأت ظاہر کریں گے، اور عرض کریں گے کہ خداوندا! آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی، ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰؑ کے جواب کا آخری جزء ہے۔

"ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم" (مائدہ) خداوندا اگر تو ان کو (ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا، بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپؐ کو اپنی امت کا خیال آگیا جس کے بارے میں آپؐ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپؐ اسی کی فکر میں

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور درمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

۲۱۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِىِّ ﷺ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَّيَخْفِضُ طَوْرًا. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔ (سنن ابی داؤد)

۲۱۸) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَاهُوَ بِاَبِىْ بَكْرٍ يُصَلِّىْ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَالنَّبِىِّ ﷺ قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّىْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ يَا اَبَابَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل خفی ہو نہ بہت زیادہ جہر سے، مندرجہ بالا حدیث کا منشاء یہی ہے، لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا اور اس کے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے

طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ :

"دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی ہے، اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں....... پھر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت، اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت"۔

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں :

۲۱۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْىٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذَالِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى — (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت سے اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے، اس شکر کی ادائیگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۲۰) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِی ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّهٗ قَالَ يَا بْنَ اٰدَمَ اِرْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔ اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یا اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے:۔

۲۲۱) عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ صَلٰوةَ الضُّحٰى ؟ قَالَتْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ . (رواه مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کے (کتنی) رکعت پڑھا کرتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا، اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں:۔ "لو نشرلی ابوای ماترکتها" (اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت وملاقات کی پر مسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

۲۲۲) عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِیَ رَكْعَاتٍ فَلَمْ اَرَصَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپؐ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپؐ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے۔ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِالْبَحْرِ . (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے دوگانہ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جاچکی ہے، وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۲۲۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِىْ خَلِيْلِىْ بِثَلَاثٍ بِصِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَرْقُدَ . (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے:۔ ایک ہر مہینے تین دن کے روزے اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

۲۲۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّى الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا . (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپؐ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپؐ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:۔

"رسول اللہ ﷺ بسااوقات ایسے اعمال بھی ترک فرمادیتے تھے جن کا کرنا آپؐ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپؐ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپؐ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اسکو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے"

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسااوقات آپؐ اس مصلحت سے ترک کردیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپؐ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ

خاص حالات سے ہے۔ جیسے دوگانہ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں سے تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی "مساجد کی اہمیت و فضیلت" کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

صلوٰۃ استغفار

۲۲۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوْ بَكْرٍ وَّ صَدَقَ أَبُوْبَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ إِلَّا غَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ قَرَءَ " وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ " (رواه الترمذی)

ترجمہ — حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکرؓ نے بیان فرمایا (جو بلا شبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ... الاية۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... یہ آیت جو رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورۂ آل عمران کی ہے، اوپر اللہ کے ان متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّااللهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ أُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَاوَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ . (آل عمران ۳: ۱۳۵، ۱۳۶)

(اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش اور معافی ہے ان کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

اس آیت میں ان گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنہوں نے معصیت کو عادت اور

پیشہ نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ

۲۲۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِىْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ . سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِىْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَاحَاجَةً هِىَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ . (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثناء کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:۔

" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ .... (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔!!!۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مؤمن کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے

ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ حاجۃ کا جو طریقہ رسول اللہ نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے، ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

۲۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

تشریح ..... قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔ "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ الاستخارہ

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ نے اس کے لئے "صلوٰۃ الاستخارہ" تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام در پیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔

۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ . اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ

بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَ مْرَشَرٌّلِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ . (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں فکر مند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ۔ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کردے اور آسان بھی فرمادے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر و بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کردے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کردے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ

کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح

۲۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ قَدِيْمَهُ وَحَدِيْثَهُ خَطَأَهُ وَعَمَدَهُ صَغِيْرَهُ وَكَبِيْرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَءُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِیْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذَالِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً .

(رواه ابوداؤد و ابن ماجة والبيهقى . فى الدعوات الكبير . وروى الترمذى عن ابى رافع نحوه)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب نے فرمایا: اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اسکو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں سُبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں،

پھر سجدے سے اُٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اوراس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفع پڑھ ہی لیں۔ [illegible]

تشریح..... کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے [1] "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت تھی، اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابویافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سبحانک اللهم وبحمدک اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلى پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر پندرہ دفعہ، اور

---

[1] علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں۔ انہوں نے "صلوٰۃ التسبیح" کی ترغیب اور تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۲

قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اسی طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقہ میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چار رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہوگی۔ بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

"صلوٰۃ التسبیح" کی تاثیر و برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ " (سورہ ہود ۱۱: ۱۱۴)

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمرو) کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا:۔

"فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَلَكَ بِذٰلِكَ"

"تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گناہ گار ہو گے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا"

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ

صلوٰۃ التسبیح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس خاتمہ پر ذیل کی ایک حدیث اور پڑھ لی جائے:

۲۳۱) عَنْ حُرَيْثِ بنِ قَبِيْصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ اِلٰى اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يَرْزُقَنِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِيْ بِحَدِيْثٍ سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّنْفَعَنِيْ بِهٖ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ لِيُكَمَّلَ بِهٖ مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما؟ پھر میں حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی، پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائیگا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد رہ جائے گا پھر اگر اسکے فرائض میں کچھ کمی کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تاکہ ان سے اس کے فرائض کی کمی کسر پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔ ([illegible])

تشریح..... سنن و نوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تنہا یہ حدیث کافی ہے۔

خاص اجتماعی نمازیں جو امت مسلمہ کا شعار ہیں

جمعہ و عیدین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کئے جا چکے۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں۔ فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے جمعہ کے بارے میں چند اشارات ذکر کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں ان شاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا۔ جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے

لئے شہر کی ایک بڑی[1] مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اس لئے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا۔ اور اس کیلئے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ باعظمت اور بابرکت ہے۔ جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا) بہر حال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا۔ اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجے میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماعی توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پربہار ہو، اور مجمع کو ملائکہ کے پاک و صاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔ اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھئے۔

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت

۲۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُیَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم)

---

[1] شریعت میں جمعہ کی جو خاص نوعیت رکھی گئی ہے اور عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ و تابعین بلکہ اس کے بھی کافی بعد تک امت کا جو طرز عمل جمعہ کے بارے میں تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک بستی میں جمعہ حتی الوسع ایک ہی جگہ ہونا چاہئے۔ ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور بستی کے سارے نمازی آسکیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نماز جمعہ کے لئے تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی مسجد میں ہو۔ یہ طریقہ کہ محلہ کی تمام مسجدوں میں الگ الگ جمعہ ہو یقیناً شریعت کے مقصد و منشاء کے خلاف ہے۔

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف

۲۳۳) عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمْعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ .

(رواه ابو داؤد و النسائي و ابن ماجة والدارمي و البيهقي في الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، الدعوات الکبیر للبیہقی)

تشریح ...... اوپر والی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے۔ گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لبیک اللّٰھم لبیک ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپ ﷺ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیات انبیاءؑ

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ امت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ ﷺ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں)۔ اس پر بعض صحابہ کرام کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تک جب کہ آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپ ﷺ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن

کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جا سکے گا؟۔ انہوں نے یہ سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام ان کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین ان پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی، یعنی جس طرح دنیا میں خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی (جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہوگی) اس لئے درود کے پہنچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

۲۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِى الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْئَالُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اسکو عطا ہی فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتے میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؒ دونوں نے نقل کیا ہے کہ :۔ جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحۃً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے ممبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعت اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت کی دعا کا خاص وقت ہے۔

۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا

ہے کہ :۔

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگانِ خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لئے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو۔ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لئے اس وقت بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ :۔ "جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔"

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز یاذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت

۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجُمْعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوْ اِمْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں: ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔

۲۳۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَ سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ . (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ برسر منبر فرمارہے تھے کہ :۔ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کردیئے جائیں گے)۔

۲۳۷) عَنْ اَبِى الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ

عَلٰی قَلْبِہٖ

ابوالجعد ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی بلا عذر تین جمعے تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (پھر وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا)۔

۲۳۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمْعَةَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلٰثًا ۔ (رواہ الشافعی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا اور وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائے گا۔ اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے۔

تشریح ..... ان حدیثوں میں جمعہ کی جو غیر معمولی اہمیت بیان کی گئی ہے اور اس کے ترک پر جو وعیدیں سنائی گئی ہیں وہ کسی توضیح اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب معصیت و منکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے گر جاتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اللہم

۲۳۹) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَایَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمْعَةِ وَیَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَیَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِهٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَایُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَاكُتِبَ لَهٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَاتَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَابَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمْعَةِ الْاُخْرٰی (رواہ البخاری)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی پاکیزگی کا اہتمام کرے، اور جو تیل خوشبو اس کے گھر ہو وہ لگائے، پھر وہ گھر سے نماز کے لئے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے بیچ نہ بیٹھے، پھر جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اس کے لئے مقدر ہوں وہ پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔

۲۴۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمْعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَی الْجُمْعَةَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ

صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمْعَةِ الَّتِىْ قَبْلَهَا . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جو اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے خوشبو اگر اس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندے کی نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون و مستحب غسل" کے عنوان سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچنے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا۔ جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔

۲۴۱) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ جُمْعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ . (رواہ مالک ورواہ ابن ماجہ وھو عن ابن عباس متصلا)

ترجمہ عبید بن السباق تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہٰذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے، اور مسواک اس دن ضرور کیا کرو۔

جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن ترشوانا

۲۴۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَقْلِمُ اَظْفَارَهٗ وَيَقُصُّ شَارِبَهٗ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ . (رواه البزار والطبرانى فى الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔[1] ([illegible])

جمعہ کے لئے اچھے کپڑوں کا اہتمام

۲۴۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّلَامَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَىْ مَهْنَتِهٖ . (رواه ابن ماجة و رواه مالك عن يحيى بن سعيد)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔

([illegible])

[illegible] ...... روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے، اور آپ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ :

"رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ ﷺ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا"۔

لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔[2]

جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت

۲۴۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ

---

(1) واضح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے، لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے گذری ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کیلئے طہارت اور پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔ ۱۲

(2) جمع الفوائد مع تعلیقات اعذب الموارد ص ۲۶۰ جلد ا۔

الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بُدْنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَاخَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ـ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

۲۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ يُبَكِّرُ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِى الْجُمُعَةَ ـ (رواه البخارى)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

۲۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا ـ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے، آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا اور نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا

گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے۔

(۲۴۷) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آپہنچا ہے (اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ) پس صبح شام تم پر آ پڑنے والا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پرجوش اور پرجلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنیوالا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لئے اس کی تیاری کرو۔

نمازِ جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

(۲۴۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا اَرْبَعًا.**

(رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت۔ ❶ (معجم کبیر طبرانی)

(۲۴۹) **عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطْفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْكٌ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْهُمَا.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے

❶ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث "جمع الفوائد" میں کبیر طبرانی ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اس کے ذیل "اعذب الموارد" میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ ۱۲

وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جا چکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اس کے کہ نماز پڑھتے (یعنی انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ خطبہ کے لئے منبر پر جا چکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا۔ اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھ لو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث کی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے اس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ اکثر ائمہ ان احادیث کی بناء پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کے مطابق اکثر صحابہؓ واکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بناء پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں[1]، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہنچ جائے کہ خطبے سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

۲۵۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمْعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا .** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ (صحیح مسلم)

۲۵۱) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ الْجُمْعَةِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ فَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ بَیْتِهٖ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے تھے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ..... کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے ائمہ

---

[1] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الملہم" شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "والانصاف ان الصدر لم ينشرح لترجيح احد المذهبين الى الآن ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا"

مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امت مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا ہے اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے موسس و مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پہ چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل کو زندہ و سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر "انی جاعلک للناس اماما" کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے "[illegible]" قرار دیے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس امت مسلمہ کے

لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ بہر حال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔ اصل مقصد تو یہاں "کتاب الصلوٰۃ" میں عیدین کی نماز کا بیان ہے، لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز

۲۵۲) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَاهٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ .** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ :۔ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ :۔ ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... قوموں کے تہوار در اصل ان کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر

مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ

۲۵۳) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَيْئٍ يَبْدَءُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَ يُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْيَاْ مُرَبِشَيْئٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپؐ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپؐ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپؐ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپؐ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپؐ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپؐ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپؐ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپؐ نے اس کام کے لئے منتخب فرمالیا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپؐ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے

۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی

نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم)

۲۵۵) عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدتُّ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَءَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ. (رواه النسائى)

ترجمہ.... حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلالؓ پر سہارا لگا کر آپؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی، اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپؐ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپؐ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپؐ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپؐ نے اس لئے کیا تھا کہ آپؐ کے خیال میں خواتین آپؐ کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم

فائدہ..... رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور شریک ہوتی تھیں، بلکہ ان کے لئے یہ آپؐ کا حکم تھا، لیکن زمانہ مابعد میں مسلم معاشرے میں فساد آگیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عیدگاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفلی نماز نہیں ہے

۲۵۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ.... حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی، اور اس سے پہلے یا بعد آپؐ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عیدین کی نماز کا وقت

۲۵۷) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُمَيْرِ الرَّحْبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَعَ النَّاسِ

فِیْ یَوْمِ عِیْدِ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰی فَاَنْکَرَ اِبْطَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا قَدْفَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذِهٖ وَذٰلِكَ حِیْنَ التَّسْبِیْحِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً چاشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں یا ۹۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

"کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ بِنَا یَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلٰی قِیْدِ رُمْحَیْنِ وَالْاَضْحٰی عَلٰی قِیْدِرُمْحٍ" ۔

"رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہو تا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہو تا تھا"۔

ہمارے زمانے میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ بلا شبہ خلاف سنت ہے۔

۲۵۸) عَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ رَکْبًا جَاؤُا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُ الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یُفْطِرُوْ اوَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاهُمْ ۔ (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے وہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (راستہ میں) انہوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لئے عیدگاہ پہنچیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں

آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں سے کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپؐ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھولنے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قرأت

۲۵۹) **عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَاوَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَاكَانَ يَقْرَءُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَابِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ: "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"۔ (صحیح مسلم)

تشریح یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

۲۶۰) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَءُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَ فِى الْجُمْعَةِ "بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى " و "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمْعَةُ فِىْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَبِهِمَا فِى الصَّلٰوتَيْنِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھا کرتے تھے، اور جب (اتفاق سے عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کبھی سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے، اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں

۲۶۱) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِىْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمِ النَّبِىُّ ﷺ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِى الْمَسْجِدِ .** (رواہ ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ ہی میں پڑھائی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... عیدین میں "امت مسلمہ کا تہوار" اور "ملی جشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لئے عام حالات میں یہی سنت ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

۲۶۲) **عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَايَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيْ .** (رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ ...... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح ...... صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا، اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔ ؎

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عید گاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

۲۶۳) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ .** (رواہ البخاری)

ترجمہ ...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپؐ یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح

کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے، کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقۂ فطر —— اس کا وقت اور اس کی حکمت

۲۶۴) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَبِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقہ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے، چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، رہی بات یہ کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل ان شاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گردونواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے، اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا، جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

۲۶۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ .** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزوں کو فضول و لایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے صدقہ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی

شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو برے اثرات پڑے ہوں گے یہ صدقہ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی

۲۶۶) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْبِهَا نَفْسًا .** (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

۲۶۷) **عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ .**

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) ان صحابہ نے عرض کیا۔ پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا۔ تو کیا اون کا بھی یا رسول اللہ (ﷺ) یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب تھا کہ بھیڑ، دنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل یا بکری کی طرح کے بال نہیں ہوتے بلکہ اون ہوتا ہے، اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟) آپ نے فرمایا۔ ہاں! اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔

۲۶۸) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّىْ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا، اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔

۲۶۹) عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا؟ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّي عَنْه . (رواہ ابوداؤد و روی الترمذی نحوہ)

ترجمہ: حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ ایک کی بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں۔؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ ہر سال قربانی فرماتے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ

۲۷۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔

۲۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ " اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ – (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی)

وفی روایته لاحمد و ابی داؤد و الترمذی ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ –

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ نے ان کا رخ صحیح قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی:۔ "انی وجهت وجهی للذی ... اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اكبر" (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقے پر ابراہیم کے ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساتھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندے محمد کی اس کی امت کی جانب سے بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اللهم منك ولك" کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا:۔ "بسم الله والله اكبر"۔ (اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

تشریح ..... قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ:۔ "میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے، یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت و رأفت ہے۔ لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما! ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہو جانا دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات

٢٧٢) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقَى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظِلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوْرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِىْ لَاتُنْقِىْ – (رواه مالك و احمد و الترمذى و ابو داؤد و النسائى و ابن ماجة والدارمى)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص جانور میں پایا جائے تو قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ ایک ایسا

لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو)۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو، اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو۔

(موطا امام مالک، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُضَحِّي بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ . (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب ومحبوب ہوں۔

بہرحال قربانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے۔

بڑے جانور میں سات حصے

۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ (رواہ مسلم و ابوداؤد و اللفظ له)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح: بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد

۲۷۵) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَءُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْئٍ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قرباں کے دن خطبہ

دیا اس میں ارشاد فرمایا۔ آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کرلی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے)۔

۲۷۶) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰے يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَيَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى .

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے کے قبل ہی ذبح کی جاچکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کردی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیونکہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی)۔

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیر کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لئے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

۲۷۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرَةِ . (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔

۲۷۸) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُوَاَرَادَبَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يُقَلِّمَنَّ ظُفْرًا . (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ

کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے۔ لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے، اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عید الاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

تنبیہ واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقہ فطر سے متعلق احادیث نماز عیدین کی احادیث کے ساتھ تبعاً ذکر کر دی گئی ہیں، ورنہ یہ "کتاب الصلوٰۃ" ہے۔ لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انہوں نے صلوٰۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ انہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقا

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات ماسبق میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں، جن کا دن یا تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک "صلوٰۃ کسوف" ہے، جو سورج کے گہن میں آجانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے "صلوٰۃ استسقا" جو کسی علاقہ میں سوکھا پڑنے یعنی بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف

سورج یا چاند کا گہن میں آجانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور اس کے جلال و جبروت کی ایک نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے

ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علیٰ ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا[1] سورج کو گہن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے، اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکرمندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قرأت کی اور قرأت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثناء نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی اصل بنیاد کوئی نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔ اس تمہید کے بعد صلوٰۃ کسوف سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے:

۲۷۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔

---

[1] محدثین اس پر قریباً متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ربیع الاول کا مہینہ بھی لکھا ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انہوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا اور جس کا عربی ترجمہ بعد میں ۱۳۰۵ھ میں (مصر) سے شائع ہوا تھا اپنے فنی حساب سے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ھ معین کی ہے اور دن دو شنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح..... حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ایک حدیث میں بہت اختصار ہے، یہاں تک کہ آپؐ کی نماز پڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپؐ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۲۸۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَرُکُوْعٍ وَسُجُوْدٍ مَارَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَاتَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَارَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گہن میں آگیا تو رسول اللہ ﷺ ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے جیسے کہ آپؐ کو ڈر ہو کہ اب قیامت ہو جائے گی، پھر آپ مسجد آئے اور آپؐ نے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اس سے دعا و استغفار کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۸۱) عَنْ قَبِیْصَۃَ الْھِلَالِیِّ قَالَ کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَخَرَجَ فَزِعًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ وَاَنَا مَعَہٗ یَوْمَئِذٍ بِالْمَدِیْنَۃِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فَاَطَالَ فِیْھِمَا الْقِیَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ یُخَوِّفُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِھَا فَاِذَارَاَیْتُمُوْھَا فَصَلُّوْا کَاَحْدَثِ صَلٰوۃٍ صَلَّیْتُمُوْھَا مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ . (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپؐ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ) آپؐ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی، میں اس دن مدینہ میں آپؐ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپؐ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپؐ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ معاصی سے بچیں) لہٰذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

۲۸۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کُنْتُ اَرْتَمِیْ بِاَسْھُمٍ لِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ فِیْ حَیٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَ نْظُرَنَّ اِلٰى مَاحَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْحَتّٰى حُسِرَعَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَعَنْهَا قَرَأَسُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ — (رواہ مسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے تیروں سے تیراندازی اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ اچانک آفتاب گہن میں آگیا، میں نے اپنے تیر وہیں چھوڑ دیے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی چل کر دیکھوں گا کہ سورج گہن کے اس وقت میں رسول اللہ ﷺ پر کیا نئی واردات ہوئی اور آپ نے کیا نیا عمل کیا۔ میں آپ کے پاس آیا آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے (یعنی نماز شروع ہو چکی تھی) اسی حال میں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور دیر تک اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر و حمد کے ساتھ اس سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب گہن سے نکل گیا (یعنی آپ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آفتاب کا گہن ختم ہوا، اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا۔) آپ نے اس نماز میں دو سورتیں اور دو رکعتیں پڑھیں۔

۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَدُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِى الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى مِثْلَ مَافَعَلَ فِى الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَارَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوااللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اِنْ مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِىَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَااَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ نے بہت طویل قیام فرمایا، پھر آپ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا، لیکن قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اس کے بعد پھر آپ رکوع میں گئے اور آپ نے طویل رکوع کیا، لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں گئے اور سجدہ بھی آپ نے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اس کے بعد (قاعدہ کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد) آپ نے نماز ختم کر دی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہو گیا، پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس میں فرمایا

کہ۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ زمین و آسمان کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی اسی مالک الملک اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے) لہذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے امت محمد (ﷺ)! کسی غلام یا باندی کی بدکاری سے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا بندی کی بدکاری سے ہوتی ہے (اس لئے اس کے قہر و جلال سے ڈرو اور ہر قسم کی بدکاری اور معصیت سے بچو) اے امت محمد (ﷺ)! قسم ہے اللہ کی اگر (اللہ کے قہر و جلال کے بارے میں) تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ خبردار! میں نے بات پوری طرح پہنچا دی (اور اپنا فرض ادا کر دیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... نماز کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپ نے یہ نماز بھی غیر معمولی طرح پڑھی اس لئے بہت سے صحابہؓ نے اس کو روایت کیا ہے، یہاں صرف پانچ صحابیوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں کتب حدیث میں بیس سے زیادہ صحابیوں کے مجمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارے میں ملتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کسوف کے متعلق ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے یہ نماز نئی سی بات تھی اور انہوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی، اور یہ بات بھی روایات میں صراحۃً موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ہوا تھا، اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے، اس طرح یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں ذکر ہے۔ چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صاف موجود ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ کو اس کسوف ہی کے موقع پر ملا، اور اس کے بعد جو چند مہینے آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی۔ واللہ اعلم

یہ نماز آپ نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادت مبارکہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی، اور دوسری میں آل عمران۔ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں کھڑے

نہیں رہ سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپؐ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ اسی طرح ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپؐ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپؐ نے قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپؐ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپؐ اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، اور آپؐ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور پھر خطبہ میں آپؐ نے بتایا کہ اس وقت آپؐ کے سامنے عالم غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپؐ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قریب قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپؐ سے ظہور میں آئیں۔ مثلاً آپؐ کا دوران نماز ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دوران قیام و قرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان غیبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

فائدہ...... ٹھیک آپؐ کے صاحبزادے کی وفات کے دن سورج کو گہن لگنا اور آپؐ کا خطبہ میں پورے زور و قوت کے ساتھ یہ اعلان فرمانا کہ اس گہن کا میرے گھر کے اس حادثہ سے کوئی تعلق نہیں اور ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اس کا دل بالکل ہی مردہ نہ ہو۔

نمازِ استسقاء

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے رسول اللہ ﷺ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لئے وہ "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے بھی آپؐ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے۔ استسقاء کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ ﷺ نے صلوٰۃ استسقاء پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے۔

۲۸۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَ اسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَّبَ اَوْحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی، آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استسقا پڑھنے کا فیصلہ فرمایا، اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اس دن سب لوگ آپ کے ساتھ چل کر نماز استسقا پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اس دن وہاں لے جا کر رکھا جائے، چنانچہ منبر وہاں پہنچا دیا گیا۔ آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ علی الصبح آفتاب طلوع ہوتے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی کبریائی اور حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے علاقہ میں وقت پر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی شکایت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی حاجات میں تم اس سے دعا کرو اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ

ساری حمد و ستائش اللہ رب العالمین کے لئے ہے وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے، یوم جزا کا مالک و فرمانروا ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں، اس کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے۔ خداوند تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو غنی ہے اور ہم سب تیرے محتاج بندے ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور جو بارش تو بھیجے اس کو ہمارے لئے تقویت کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا وسیلہ بنا۔

پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپؐ نے ہاتھ جتنے اٹھائے

ہوئے تھے اس سے اور اوپر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہے اور ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ (باوجودیکہ آپؐ چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے لیکن) آپؐ کی بغل کے اندرونی حصے کی سپیدی بھی نظر آنے لگی۔ پھر آپؐ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کرلی، اور جو چادر آپؐ اوڑھے ہوئے تھے اس کو آپؐ نے پلٹا اور دعا میں آپؐ کے ہاتھ اب تک اٹھے ہوئے رہے۔ پھر آپؐ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کرلیا اور منبر سے نیچے آکر دو رکعت نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت ایک بدلی اٹھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی، پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب برسی (اور ایسی بھرپور بارش ہوئی کہ ابھی آپؐ اپنی مسجد تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستے اور نالے بھر کے بہنے لگے، پھر جب آپؐ نے یہ منظر دیکھا کہ لوگ (جو قحط اور سوکھا کی شکایت کررہے تھے) بارش سے پناہ لینے کے لئے سائبان یا چھپر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپؐ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، اور آپؐ نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول (ﷺ) ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

۲۸۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِىْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَ ةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَ هٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقا کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپؐ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا، اس وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۸۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْنِىْ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا. (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقا کے لئے چلے تو آپؐ بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے، اور آپؐ کا انداز خاکساری اور مسکینی اور عاجزی کا تھا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقا قحط کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعیہ کیلئے اجتماعی نماز اور دعا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اول...... یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر ہونی چاہئے، بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبتاً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مائگی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے...... یہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا

جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کے لئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے...... یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کے ساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں "تحویل رداء" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے، گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ جس وقت آپؐ نے نماز استسقا پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرامؓ کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے۔

الحمد اللہ یہ امت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز و عاصی کو بھی اپنی عمر میں تین دفعہ نماز استسقا پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنبھل میں، دوسری دفعہ اب سے قریباً پندرہ سال پہلے لکھنؤ میں اور تیسری دفعہ ۱۹۵۱ء میں مدینہ طیبہ میں اور یہ تینوں دفعہ کی نماز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپؐ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپؐ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا لہٰذا وہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اللّٰهم صلى على سيدنا محمد عبدك و رسولك ۔

نماز جنازہ، اور اسکے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات

اسی طرح ذکر کئے جائیں گے۔ ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوگا ان کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں اور سفرِ آخرت کے قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاددہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، پھر اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپؐ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاءِ الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدایت کے دینوی اور نقد برکات ہیں، اور آخرت میں انشاء اللہ وہ سب سامنے آنے والا ہے۔ جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے۔

موت کی یاد اور اس کا شوق

۲۸۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ —

(رواه الترمذی والنسائی و ابن ماجه)

ترجمہ.... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

٢٨٨) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِيَّ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَا بِرُسَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ . (رواه البخاری)

ترجمہ.... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پردیسی اور راستہ چلتا مسافر ہے، اور (رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یا دوسروں کو بھی مخاطب کر کے) ابن عمرؓ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے کچھ کمائی کر لے۔ (صحیح بخاری)

٢٨٩) عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ.... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور میں حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو، اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

تشریح.... حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا: حضرت (ﷺ)! ہمارا حال تو یہ ہے کہ:

اِنَّا نَكْرَهُ الْمَوْتَ "ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے"

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مؤمن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس برے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت

مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تشریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے، چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تصریح ہے کہ:۔ والموت قبل لقاء اللہ (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے۔)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور روح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اس صاحب ایمان بندے کی روح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اس کے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا، اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں حالتوں کو "احب لقاء اللہ" اور "کرہ لقاء اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے احب اللہ لقاءہ اور کرہ اللہ لقاءہ کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

۲۹۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ......

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

تشریح ..... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آ جائے گی، عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا

قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان ویقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی، لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلا شبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف و عنایات اور جس طرح قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے!

موت کی تمنا اور دعا کرنے کی ممانعت

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۲۹۱) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اَمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَزْدَادَ خَیْرًا وَاَمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَسْتَعْتِبَ .** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اس کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

۲۹۲) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ کَانَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ

رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے موت کے متعلق بتایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہو گا، اور اس لحاظ سے وہ موت مؤمن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپؐ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

٢٩٣) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَایُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَاحُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةَ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَاللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ: مرد مؤمن کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

٢٩٤) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّاٰتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مرد مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے مرض سے یا اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

٢٩٥) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَا لِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ (جامع ترمذی)

۲۹۶) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْفِيْ مَالِهٖ اَوْفِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ محمد بن خالد سلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کسی بندہ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اسکے لئے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔

تشریح..... اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال اور احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اسکو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کیوجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

۲۹۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ (جامع ترمذی)

۲۹۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السُّقْمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ:۔ جب مرد مؤمن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کیلئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے

غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کمی کی کسر پوری ہوتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا ثواب

۲۹۹) **عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْسَافَرَ كُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَاكَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا۔** (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے، جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَانُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ۔

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی

مریض کی عیادت و تسلی اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک

طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپؐ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، ان سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے:

٣٠٠) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَطْعِمُو الْجَائِعَ وَعُوْدُ والْمَرِیْضَ وَ كُفُّوْ الْعَانِی . (رواہ البخاری)

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

٣٠١) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَاَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَ . (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:- بندہ مؤمن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

٣٠٢) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَادیٰ مَرِیْضًا نَادیٰ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّ اْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا – (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (سنن ابن ماجہ)

٣٠٣) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطِیْبُ بِنَفْسِهٖ . (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاءاللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

٣٠٤) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِیٌّ یَخْدِمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَاالْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ

وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اس نے لڑکے سے کہا تو ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے: "حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ ﷺ سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ ﷺ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اس کے لئے دعائے صحت

(۳۰۵) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِىْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: اذهب الباس رب الناس۔ (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۰۶) **عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِى الْعَاصِ اَنَّهُ شَكٰى اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجْعًا يَجِدُهُ فِىْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِىْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِىْ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درد کی شکایت کی جو انکے جسم کے کسی حصے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو "بسم اللہ" اور سات مرتبہ کہو "اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر" (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے

میری وہ تکلیف دور فرمادی۔ (صحیح مسلم)

۳۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ اَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے:

أُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

میں تمہیں پناہ میں دیتا ہوں اللہ کے کلمات تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

اور فرماتے تھے کہ: تمہارے جد امجد ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل اور اسحٰق پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

تشریح ...... "کلمات تامہ" سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں بہر حال آپ ﷺ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور اسطرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

۳۰۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں "معوذات" سے مراد بظاہر سورۂ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپ ﷺ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاءاللہ اپنے موقع پر "کتاب الدعوات" میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟

۳۰۹) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـ**

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مرنے والوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا جائے، یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرلیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

۳۱۰) **عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ .** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

۳۱۱) **عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْرَؤُا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ .**

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰس پڑھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہوگئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین وایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا مؤثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

۳۱۲) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کی وفات سے تین ہی دن پہلے سنا، تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔　(صحیح مسلم)

تشریح اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاص کر اخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے تیمار دار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

۳۱۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى أَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ فَأَغْمَضَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَاتَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِأَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْلَهُ فِيْهِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابوسلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا۔ جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے، تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اس لئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رونے لگے (اور اس رنج اور صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بددعا تھیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اس لئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود اس طرح دعا فرمائی:۔ اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، اور اپنے ہدایت یاب بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما، اور اس کے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما اس کے پس ماندگان کی، اور رب العالمین بخش دے ہم اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔　(صحیح مسلم)

۳۱۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ . (رواہ مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے اور کوئی چیز فوت ہو جائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے یعنی :۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے، وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہا اور دعا کی: "اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمائے۔ (صحیح مسلم)

۳۱۵) عَنْ حَصِيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِيْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپؐ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپؐ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا: میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجہیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عائد کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی و اختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اس لئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل

وفہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ وماتم اور رونا پیٹنا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج وغم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں نوحہ وماتم اور رونا پیٹنا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

۳۱۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ؟ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْيَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ ایک دفعہ مریض ہوئے، تو رسول اللہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لئے ہوئے ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپؐ جب اندر تشریف لائے تو ان کو آپؐ نے میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپؐ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپؐ نے فرمایا: "ختم ہو چکے" (یہ بات آپؐ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپؐ نے دریافت کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔ تو رسول اللہ کو (ان کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آ گیا، جب اور لوگوں نے آپؐ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "لوگو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج وغم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپؐ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر، یعنی زبان سے نوحہ وماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (اناللہ پڑھنے پر اور دعا واستغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اسکو عذاب ہوتا ہے۔

تشریح ..... اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ وماتم نہ کیا جائے، یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ اناللہ اور دعا واستغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کا وسیلہ بنیں۔ اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسول اللہ سے حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا یا رسول اللہ ﷺ کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے بیچارے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انہیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اس لئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کیلئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو روتے پیٹنے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "محامد" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہوگئے تھے، ان کی وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک روایت کے مطابق عہد صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی۔

(۳۱۷) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی اَبِیْ مُوْسٰی فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِاللّٰهِ تَصِیْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِیْ وَكَانَ یُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ .

(رواه البخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰؓ (بیمار پڑے اور ان) پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو انکی بیوی ام عبداللہ بلند آواز سے اور لے کے ساتھ رونے لگیں۔ پھر ابو موسیٰؓ کو افاقہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو انہوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا: کیا

تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سر منڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم وماتم کرے تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۱۸) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ .** (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تماچے مارے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے)۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ

۳۱۹) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَبِیْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ يَا بْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے۔ یہ ابو سیف رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمن بن عوف! جو ناواقفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہوسکتے، تعجب سے) انہوں نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کی بھی یہ حالت؟: آپؐ نے فرمایا۔ اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپؐ نے فرمایا۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے، اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و

غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے، کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ: "ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی، اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا۔ میں اس زمانہ میں سنت نبوی ﷺ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا، اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی، اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

۳۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ .

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔

اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

۳۲۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ . (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انکے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔

۲۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَالِعَبْدِى الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِحْتَسَبَهُ اِلَّا الْجَنَّةَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھالوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

۲۲۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِىْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُوَادِهٖ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِىْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اِبْنُوْا لِعَبْدِىْ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ —

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ جی ہاں! پھر فرماتا ہے۔ تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟۔ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ اس بندے نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟)۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس بندے نے آپ کی حمد آپ کا شکر کیا اور پڑھا۔ (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس کے صابرانہ رویہ پر) اس کے لئے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

۲۲۴) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِىُّ ﷺ اَلتَّعْزِيَةَ ....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِىْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزْعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزْعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَاَنْ قَدْ

وَالسَّلام۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔ (معجم کبیر و معجم اوسط طبرانی)

تشریح...... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنیوالے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہو گی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کیطرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے، جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں دفنایا جائے، لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے، پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے۔

۳۲۵) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ اِبْنَتَهٗ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْخَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِى الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْشَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَافَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِىْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْ نَهَا اِيَّاهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا اَوْخَمْسًا اَوْسَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ: تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دیجو، اور آخری دفعہ کافور بھی شامل کیجو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجو۔ (ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپؐ کو اطلاع دے دی تو آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ: "سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو"۔ اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسکو طاق دفعہ غسل دیجو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور داہنے اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا

اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں، جو ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۸ھ کے اوائل میں ہوئی تھی، اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں یہ پیش پیش رہتی تھیں، خاص کر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انہی سے سیکھا۔

اس حدیث میں بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لئے نہانے میں طرح طرح کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لئے بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل کچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسی لئے حکم فرمایا کہ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے، اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ طاق عدد اللہ کو محبوب ہے، اس لئے اس کا لحاظ بہر حال رکھا جائے۔ یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سات دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت مہک دار اور بڑی خوشبو ہے۔ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر صاحبزادی کے لئے جس اہتمام سے اپنا تہبند مبارک دیا (اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپ کو غسل مکمل ہونے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنادو، اس سے علماء کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی امید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں غلو اور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

فَكَفَّنَّاهَا فِىْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ وَخَمَّرْنَاهَا كَمَا يُخَمَّرُ الْحَيُّ

ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور خمار (اوڑھنی) بھی اڑھائی جس طرح زندوں کو اڑھائی جاتی ہے۔ (اسی بناء پر عورتوں کے لئے کفن میں پانچ کپڑے ہی مسنون کئے گئے ہیں)۔

کفن میں کیا کیا اور کتنے کپڑے ہونے چاہئیں!

۳۲۶) **عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِىْ ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَّةٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے، ان تین کپڑوں میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ۔

[illegible]

تشریح اکثر شارحین نے سحولی کی تشریح میں کہا ہے کہ یمن کے علاقہ میں سحول ایک بستی تھی جہاں کے کپڑے مشہور تھے۔ بعض حضرات نے اس کے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں، لیکن راجح یہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے بھی یمنی چادریں استعمال فرماتے تھے، وصال کے بعد آپ کے کفن میں بھی وہی استعمال کی گئیں اور آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ، اور مردوں کے لئے کفن کے تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔ [illegible]

تشریح اس حدیث کا اصل منشاء بھی میت کا اعزاز و اکرام ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص استطاعت کے باوجود اپنی میت کو اس خیال سے کہ اب تو اس کو قبر میں دفن ہونا اور مٹی میں مل جانا ہے پرانے اور ردی کپڑے میں نہ کفنائے بلکہ اچھا اور مناسب کفن دے، یہ میت کے اعزاز و اکرام کا تقاضا اور حق ہے۔

۳۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سفید کپڑے پہنا کرو وہ تمہارے لئے اچھے کپڑے ہیں اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔

[illegible]

۳۲۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُغَالُوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کیونکہ وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کپڑے کا دیا جائے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔

واضح رہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور

پرانے چادرے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔

غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو [illegible] ایک ہی [illegible] چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا۔ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں واذخر گھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنازے کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

(۳۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا، جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آجائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔ [illegible]

تشریح: حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے، اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کر کے واپس آ گیا، وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا۔ قیراط راجح قول کے مطابق درہم کا بارہواں حصہ ہوتا ہے۔ قریباً دو پیسے چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا، اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بارہواں حصہ آنہ آدھ آنہ) نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا احد پہاڑ اس کے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ہے کہ جب کہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو، یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی امید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کو بس خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا، اللہ اور رسول کے حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیش نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ —

"واحتساباً" کا مطلب یہ ہے۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لئے ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی تشریح میں اور دوسری جلد میں "اخلاص" کے زیر عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔

جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم

(۳۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْرَعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچادو گے، اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔

تشریح حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے، اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچادیا جائے، اور اگر خدانخواستہ اس کے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بارے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نماز جنازہ اور اس میں میت کیلئے دعا

(۳۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ .

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کیلئے دعا کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دعا ہی کی تمہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے۔ (جو آگے درج کی جارہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دعائیں ہیں۔

(۳۳۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ

وَاَهْلًا خَيْرًا مِنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ.

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف کر دے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرما دے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کی بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے (اور ٹھنڈا اور ٹھنڈک و سیرابی فرما دے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرما دے جس طرح اجلے کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرما دیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلے میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلے میں اچھا رفیق حیات عطا فرما دے، اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو پناہ دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔

٣٣٤) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ.

(رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا۔ اے اللہ! اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ، اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔

٣٣٥) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِىْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپ یہ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری

امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس پر رحمت فرما تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

جنازہ کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں، لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں، جو مندرجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو چاہے دعا پڑھے، اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے خاص کر واثلہ ابن اسقعؓ اور ابوہریرہؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرامؓ نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اس لئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا باآواز پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً "اپنے رب سے دعا کر عاجزی و مسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے"

نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد کی برکت اور اہمیت

٣٣٦) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے۔ جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے، اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں (یعنی مغفرت و رحمت کی دعا کریں) تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہوگی۔

٣٣٧) عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ أُنْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ خَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ أَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْرِجُوْهُ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کریب تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قدید میں یا مقام عسفان میں ہو گیا (جب کچھ لوگ جمع ہو گئے) تو حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم ان پر نظر ڈالو، کریب

کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا خیال ہے کہ وہ چالیس ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں ۴۰ ضرور ہوں گے) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اب جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اور سفارش کریں) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔

تشریح ..... قدید، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رابغ کے قریب ایک قصبہ تھا، اور عسفان مکہ معظمہ اور رابغ کے درمیان مکہ معظمہ سے قریباً ۳۶،۳۵ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

۲۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّىْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّ أَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ . (رواہ ابو داؤد)

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن ہبیرہؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرثد یزنی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہبیرہؓ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

تشریح ..... یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سو مسلمانوں کے لئے نماز جنازہ پڑھنے پر اور اس کے بعد والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن ہبیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمالے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنا دی گئی۔ اس کے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپؐ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی

کم ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعث برکت و رحمت ہے، اس لئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اس کے آداب

۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ هَلَكَ فِيْهِ اَلْحِدُوْلِىْ لَحْدًا وَانْصَبُوْ عَلَى اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے پچی اینٹیں کھڑی کر دی جائیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور پچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر زمین ایسی پچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں، لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

۳۴۰) عَنْ هِشَّامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفُنُوْا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِىْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا — (رواه احمد والترمذى وابو داؤد والنسائى)

ترجمہ: ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن فرمایا: (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو، اور اچھی طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔

[illegible]

تشریح..... غزوہ احد میں قریب ستر کے صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کئے جائیں، لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں، گہری بھی ہوں اور وسیع بھی ہوں۔ اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کئے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا وہ امام ہے اور اس کے ساتھ والے مقتدی اس حدیث کی بناء پر۔ جنگ کے جیسے غیر

معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کیا جائے۔

(۳۴۱) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ . وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ . (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجة و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے (یا کوئی میت قبر میں اتاری جاتی) تو فرماتے تھے: "بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله" (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روایتوں میں "على ملة رسول الله" کے بجائے "على سنة رسول الله" کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

(۳۴۲) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ.

(رواه البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے تین دفعہ مٹی ڈالی۔ اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکایا چھڑکوایا اور اس کے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔ (شرح السنہ)

(۳۴۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَيُقْرَءُ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ .

(رواه البيهقی فی شعب الايمان و قال و الصحيح انه موقوف عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت روکو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (تا مفلحون) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (آمن الرسول سے ختم سورۃ تک) پڑھی جائیں۔ (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے)۔

تشریح: میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھی ہوگی اس لئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو، لیکن محدثین اور فقہا کے اصول پر یہ حکم

میں مرفوع ہی کے ہے۔

قبور سے متعلق ہدایات

۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بناء پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچھ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی۔ جن صحابہؓ یا تابعین یا اولیاء امت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور کچی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

۳۴۵) عَنْ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد امت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَآنِى النَّبِىُّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَا تُؤْذِهِ . (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: "اس قبر والے کو تکلیف نہ دو"۔ (مسند احمد)

زیارت قبور

۳۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ) اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا، کیونکہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا، اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اجازت اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اس کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

۳۴۸) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ . (رواه مسلم)

ترجمہ — حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں، اور ان کے لئے دعا کریں: "السلام علیکم اهل الدیار (سلام ہو تم پر ان گھروں والوں! مؤمنوں میں سے اور مسلموں میں سے، اور انشاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا (یعنی چین اور سکون کا)۔ (صحیح مسلم)

۳۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ . (رواه الترمذى)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا، آپؐ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا "السلام علیکم یا اهل القبور (سلام ہو تم

پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں، جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالاحسان کا طریقہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

اموات کے لئے ایصال ثواب

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، نماز جنازہ کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے، اور زیارت قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحاب قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے۔ دعائے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے "ایصال ثواب" اسی کا عنوان ہے۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

۳۵۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِي الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے لئے نفع مند ہو گا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا) آپ نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ (مخراف) میں نے اپنی مرحوم والدہ کیلئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایصال ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے، اس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے، لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

۳۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ

اِبْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَابْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا، اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کر دیں، لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے یا حج کرتے، تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... یہ حدیث بھی مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصال ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

کتاب الصلوٰۃ ختم ہوئی

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَعَلٰى رَسُوْلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد چہارم

کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE

AZHAR ACADEMY LTD.

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ ﷺ کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین معجزہ ہے کہ باوجودیکہ آپ اُمّی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا... اس کتب خانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو دراصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں... اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے ارشادات و ہدایات اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سینکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس وقت اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدون ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً ان کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے... احادیث کے جو ہزاروں مجموعی مسانید[1]، معاجم، جوامع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہد نبوی ﷺ سے اس وقت تیار ہوئے، پھر ان کے راویوں کو سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، حل لغات ان سے احکام کے استخراج و استنباط اور حکم و اسرار پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہل علم نے لکھیں، جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہو گی۔

واقعہ یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں

---

[1] احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جائے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور الگ الگ ہوں، اس کو محدثین کی اصطلاح میں مسند کہتے ہیں، جیسے مسند احمد، مسند حمیدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر استاد کی مرویات الگ الگ جمع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو معجم کہتے ہیں، جیسے طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر۔ اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اس کو جامع کہا جاتا ہے، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحیح ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اس کو سنن کہا جاتا ہے۔ جیسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

کے مطابق اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خادمانِ حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہلِ بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کی خاص نشانی اور رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ سلسلہ "معارف الحدیث" بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) (مصنف کی علمی تہی مائیگی اور بے حیثیتی سے قطع نظر) اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گناہ گار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمانِ حدیث کے زمرے میں شامل ہو۔ سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا چند تولے سوت لے کر خریدارانِ یوسف کی قطار میں کھڑی ہو جائے — فلله الحمد یا رب۔

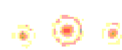
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری / کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر روید از تن صد زبانم / چو سوسن شکر لطفش کے توانم



حدیث نبوی ﷺ کا مستند ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ ﷺ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہل ایمان نے اس حیاتِ دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو پا سکتے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قلبی اطمینان کے ساتھ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جس اطمینان کے ساتھ قرن اول کے وہ خوش نصیب مؤمنین کرتے تھے جنھوں نے ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کو اس زندگی میں ہی پایا تھا۔

اس سلسلہ میں "معارف الحدیث" کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتاب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی تعلیم و ہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو کتب حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستے سے دربارِ نبوی ﷺ تک نہیں پہنچ سکتے، ان کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

امید ہے کہ جو صاحب ایمان بندے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت قلب میں بیدار کر کے سچی طلب اور ادب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے ان شاء اللہ انہیں یہ دولت نصیب ہوگی اور احادیث نبوی کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضور انور ﷺ کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔



جیسا کہ اس سلسلہ "معارف الحدیث" کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں

طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کر کے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کو مذکورۂ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے انہیں ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دور حاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضور ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے حکم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے ...... اس پورے کام میں بنیادی نقطہ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت و تعلیم اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابق فطرت، سراسر مبنی بر حکمت اور انسانیت کے لئے باعث صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے اور ناظرین کے قلوب میں نور یقین و اطمینان اور جذبہ عمل بھی پیدا ہو۔



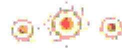
اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اول میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رقاق کی حدیثیں جمع کر کے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات اربعہ (نماز، زکوۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔



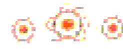
انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) اس لئے وہ ایمان باللہ اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں...... انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور فدویت کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عبدیت کے رنگ میں رنگتی ہے۔ نیز عبادات ہی کے ذریعہ ملاء اعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے...... اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب سے اہم اور مقدم حکم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے در اصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دار و مدار انہیں پر ہے۔

ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ہدایات و تعلیمات اور آپ ﷺ کے معمولات کی حدیثیں جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہیں ...... باقی ارکان ثلثہ (زکوۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں ...... پہلے خیال تھا کہ "[illegible]" کی احادیث بھی اسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو

جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آ سکیں گی۔ انشاء اللہ اب اگلی پانچویں جلد "کتاب الاذکار والدعوات" ہی کی ہوگی...... اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔



اس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا جمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں اور کچھ حدیثیں براہ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔



ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں..... اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی توفیق بخشی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلب گار

عاجز و گناہ گار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ..... ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

معارفُ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الزکوٰۃ

قال اللّٰہ تعالٰی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ وَ الْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(البقرة: ۲۵۴)

اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اس میں سے (ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دنیوی دوستی کام آسکے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابل سزا مجرم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)۔

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے — اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ اور رسول کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے..... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

وَاللهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور انکے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابہ کرام ؓ نے ان کے اس نقطہ نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپ ﷺ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و خطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر عموماً اسطرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیاز مندی کا مظاہر جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے..... زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا

ہے جس کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ، اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حب مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا . (سورۂ توبہ ۹: ۱۰۳)

اے نبی ( )! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى. (سورۃ الیل)

اور اس آتش دوزخ سے نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم اگلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ. (سورۂ انبیاء ۲۱: ۷۳)

اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم ۱۹: ۵۵)

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے

لوگوں سے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔ وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَ اَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا ۔ (سورئہ مریم ۱۹: ۳۱)

میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اور بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی اور ان سے عہد لیا گیا تھا ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (بقرہ ۲: ۸۳)

اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کیا کرنا۔

اسی طرح جہاں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ. (مائدہ ۵: ۱۲)

اور اللہ نے فرمایا، میں (اپنی مدد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم کرتے رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہوگئی اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہوگئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانہ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ (چنانچہ سورۂ مؤمنون، سورۂ نمل، اور سورۂ لقمان) کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دور کی ہیں) لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظام زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بھی بعد میں آیا، اس کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی محولہ بالا مکی سورتوں کی ان آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انہوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا

ذکر کیا ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم کے بارے میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ... الخ "اور وہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں"۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق (اس وقت کے آپ ﷺ کے شدید دشمن) ابوسفیان کا یہ بیان کہ:

يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ...... الخ

وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں، اور صلہ رحمی اور پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے ..... ہاں نظام زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل وصول کا نظام تو ۸ھ کے بعد قائم ہوا..... اس تمہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے۔

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت

(۱) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِىْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ......** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے ان سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلانا کہ اس اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو ان میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) ان کے

اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہ خداوندی میں پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔)

تشریح...... یہ حدیث اگرچہ اس سلسلہ معارف الحدیث کی پہلی جلد کتاب الایمان میں گذر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جا چکی ہے لیکن امام بخاریؒ وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الزکوٰۃ کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجنے کا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہل سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ھ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ یمن میں اگرچہ اہل کتاب کے علاوہ بت پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہل کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام انہیں بہت کٹھن اور ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اس لئے پہلے ان کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر معقولیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے، خصوصاً اہل کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے...... پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کرلے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضہ نماز رکھا جائے جو جانی، جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین مرقع ہے اور جب وہ اس کو قبول کرلے تو اس کے سامنے فریضہ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اسی قوم اور علاقہ کے پریشان حال ضرورت مندوں میں خرچ کر دی جائے گی۔ دعوت اسلام کے بارے میں اس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، ان کے مویشی اور ان کی پیداوار میں بھی چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے۔

سب سے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کر جا رہے ہو، ظلم و زیادتی سے بہت بچنا، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بد دعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس حدیث میں دعوت اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام حتی کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح

اسلام کی ارکان خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے ہیں روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم آچکا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد دعوت اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اس لئے آپ ﷺ نے صرف ان تین ارکان کا ذکر فرمایا، اگر ارکان اسلام کی تعلیم دینی مقصود ہوتا تو آپ ﷺ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو علم دین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب

۴) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ (يَعْنِىْ شِدْقَيْهِ) ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں ..... یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ...... (آل عمران ۳: ۱۸۰)

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انہوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی)۔ (صحیح بخاری)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کیساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔)

تشریح..... قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس

کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور امت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں...... اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں باچھوں کو کاٹنا یقیناً اس گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے...... یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس بخیل آدمی کی جو حب مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں نیز آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں یوم القیمۃ کا جو لفظ ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ

اس عذاب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ آدمی یا جنت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرح (جیسا بھی اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔)

یعنی جتنا عذاب و حساب وہ آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بداعمالی کی سزا کے لئے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بے باق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ اللّٰهم احفظنا واغفر لنا ولا تعذبنا۔

قیامت اور جنت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں معارف الحدیث جلد اول میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلجان کا باعث بنتی ہیں، انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے دور ہو جائیں گی۔

۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَاخَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ**

(رواه الشافعی والبخاری فی تاریخه والحمیدی فی مسنده)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔

(مسند شافعی، تاریخ بخاری، مسند حمیدی)

تشریح...... امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انہوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ

روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔[1]

اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کر لے تو یہ زکوٰۃ اس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی...... راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

[illegible]

٤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰيَةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهُ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطِيْبَ مَابَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ...... وَذَكَرَ كَلِمَةً ...... لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ...... ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ . (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ...... (توبہ ۹: ۳۴، ۳۵)

اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت) بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر ( )! آپ ان (پرستاران دولت کو آخرت کے) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (یہ عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے) کہا جائے گا کہ یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں

[1] مسند حمیدی، شائع کردہ مجلس علمی (جلد اول) صفحہ ۱۱۵

گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک ہو جائے...... اور (اسی طرح) میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں ایک کلمہ آپؐ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا (لیکن میراث کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ) تمہارے پسماندگان کے لئے سہارا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تم کو وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور قدر کے ساتھ رکھا جائے — وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقہ حیات ہے، جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ اطاعت کرے اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... سورۂ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے، جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کے لئے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے...... آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے — اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانون میراث اس لئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اس کے پسماندگان کے لئے ایک سہارا ہو...... اس جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا حکم ہی نہ ہوتا، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اس دنیا میں دل کے سکون اور روح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اچھی صاحب صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقہ حیات ہے، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو...... یہ بات آپؐ نے اس موقع پر اس لئے فرمائی کہ اس دور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور ان کے ساتھ بڑی بے

انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے..... (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) اور جیسا کہ عنقریب میں ہی ذکر کیا جا چکا ہے، اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یہی مجمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہو گی، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟

۵) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ ںِالْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذُوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ۔** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے..... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... عہد نبوی ﷺ میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار اور کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان فرمایا ہے۔ یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہو گی ..... کھجوروں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، ایک وسق قریباً چھ من ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی اور چاندی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے، اس بناء پر پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہو گی۔ جس کا وزن مشہور قول کی بناء پر ساڑھے باون تولے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی ہیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا ہے اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔ ❶

٦) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَّةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْئٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ** (رواه الترمذي و ابوداؤد)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔ پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں سے پانچ درہم واجب ہوں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اس کا تعلق اسی صورت میں سے ہے..... آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱/۴۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموالِ تجارت پر زکوٰۃ

٧) **عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ......** (رواه ابوداؤد)

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اس چیز میں زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع و فروخت (یعنی تجارت) کیلئے مہیا کی ہو (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب

❶ حضرات علماء کرام کے لئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جب کہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے اور قریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہے اور حکومتیں اپنے سکوں کی قیمت میں مختلف عوامل کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں، تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے۔

ہوگی۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

٨) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم

٩) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَاَةً اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِاِبْنَةٍ لَّهَا فِيْ يَدِ اِبْنَتِهَا مُسْكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا؟ قَالَتْ لَا، قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنَ النَّارِ فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ — (رواہ ابوداؤد وغیرہ من اصحاب السنن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: میں اس کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی! آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟ اللہ کی اس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اتار کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ: اب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔

١٠) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَابَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ — (رواہ مالک و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے اوضاح (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی۔ میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) سے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا یہ بھی اس کنز میں داخل ہے (جس پر سورۂ توبہ کی آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الآية میں دوزخ کی وعید آئی ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔

تشریح...... ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ

فرض ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں، لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان ائمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض شافعی المسالک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے

۱۱) **عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔** (رواہ ابو داؤد والترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پیشگی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین

۱۲) **عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِىِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ فَبَايَعْتُهٗ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا. فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِىْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلَا غَيْرِهٖ فِى الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ هُوَ فَجَزَّاَهَا ثَمَانِيَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَيْتُكَ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی..... زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) کردی ہیں تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (سورۂ توبہ ۹: ۶۰)

زکوۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف کی جاسکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے اور ان کی گلوخلاصی کرانے میں اور ان لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (اسی طرح) مجاہدوں اور مسافروں کی مدد میں۔

فقراء یعنی عام غریب اور مفلس لوگ..... فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔) شریعت میں غناء کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں زکوۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے تؤخذ من اغنیاء ھم وترد الی فقراء ھم۔

مساکین وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین یعنی زکوۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ ..... یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفۃ القلوب ایسے لوگ جنکی تالیف قلب اور دلجوئی اہم دینی وملی مصالح کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رقاب یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلوخلاصی..... اس مد میں بھی زکوۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

غارمین جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان..... ان لوگوں کی مدد بھی زکوۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابن السبیل اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنہیں مسافرت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔

زیاد بن حارث صدائی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ زکوۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرمادیجئے! انہیں جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زکوۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرمادیئے ہیں، اگر تم ان میں سے

کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس مد میں سے تم کو کچھ دے سکوں..... (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تفہیم کے لئے مصارف کا مختصر بیان کر دیا گیا ہے۔ تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء و اصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں۔)

۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِىْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنَ الَّذِىْ لَايَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہئے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لئے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے، اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لئے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے، اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گداگر جو در در پھر کر لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں ہیں، بلکہ صدقہ کے لئے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہئے جو شرم و حیا اور عفت نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے..... یہی لوگ اصل مسکین ہیں۔ جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

۱۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِىْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ.

(رواه الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

۱۵) عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِىْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَفِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَّضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ عبیداللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے، تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ ﷺ نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ) ان

اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔　　　(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح ..... ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنے کھانے، کپڑے جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اسے فی الحال ضرورت نہ ہو، ایسے آدمی کو اگر وہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ ادا ہو جائے گی، لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے ..... عام ضابطہ یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبیداللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: "اگر تم لینا چاہو تو میں دے دوں گا۔" (ان شئتما اعطیتکما)

زکوٰۃ صدقات اور خاندان نبوت

(۱۶) عَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔　　　(صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عنداللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہل خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

(۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے، راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور آپ ﷺ نے دیکھی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اٹھا کے کھا لیتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس موقع پر آپ ﷺ کا یہ فرمانا دراصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بتا

کے کہ: "میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو۔" مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہل تقویٰ کو دے دیا ہے۔

۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَخْ كَخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ. (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے بچپن میں) زکوۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا: کخ کخ (اخ اخ) تاکہ وہ اس کو منہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوۃ نہیں کھاتے ہیں۔

۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوا وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ فَأَكَلَ مَعَهُمْ — (رواه البخاري ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ ﷺ کے پاس لاتا تو آپ ﷺ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے (یعنی ان اصحاب رضی اللہ عنہم سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم) فرمادیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اس میں سے نہ کھاتے — اور اگر آپ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ تو آپ بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور ان اصحاب رضی اللہ عنہم کیساتھ اس کے کھانے میں شرکت فرماتے۔

تشریح ..... کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت وامداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ فرض وواجب ہو، جیسے زکوۃ یا صدقہ فطر، یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے)..... (اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے..... صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بے چارے لینے والی کی نیچی اور پست، اس لئے رسول اللہ ﷺ کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے..... اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ اس کو خوشی سے قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے [1] ..... اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحاب

[1] صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: كان رسول الله ﷺ يقبل الهدية ويثيب عليها۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والے کو خود بھی ہدیے دیتے تھے۔)

مستحقین کو دے دیتے تھے۔

۲۰) عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِىْ مَخْزُوْمٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِىْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِىْ كَيْمَا تُصِيْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى اٰتِىَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَسْاَلَهُ فَانْطَلَقَ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَسَأَلَهُ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.

(رواه الترمذى وابو داؤد والنسائى)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اس مخزومی نے ابورافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمہیں بھی (حق المحنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا۔ ابورافع نے ان سے کہا کہ: جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت نہ کرلوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابورافع حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فنڈ سے کچھ نہیں لے سکتے..... دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جاسکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، تب بھی اس کو بطور اجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں اور ان کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے..... ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کردیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے۔ ان کے اس طریقے کی پیروی میں اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں بھی وہ حدیثیں یہیں درج کی جاتی ہیں:

۲۱) عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِىْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِىْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَاَلَ النَّاسَ؟ لِيُثْرِىَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِىْ

وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَّاْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا و تندرست آدمی کو۔ البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرادیا ہو، یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا ...... اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا یہ نتیجہ بھگتے) ...... (جامع ترمذی)

تشریح ... اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۱۴) کی طرح غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اس تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی روزی کما سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرادیا ہو اور سوال کے سوا اس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو، یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے ... آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اسکے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا ...... اور جو کچھ اسنے سوال کر کے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنم کا گرم پتھر بنادیا جائے اور وہ اسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

۲۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْلِيَسْتَكْثِرْ - (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنم کا انگارہ مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کر کے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا) ...... اب خواہ اس میں کمی کرے، یا زیادتی کرے۔ (صحیح مسلم)

۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِىْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْكُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ. (رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی وابن ماجه و الدارمی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت

میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہو گا (خموش) خدوش، کدوح۔ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون سا لفظ تھا...... آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (کا یہ ارشاد سن کر آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا) آپ نے فرمایا کہ: پچاس درہم، یا ان کی قیمت کا سونا۔

...... مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بدنما داغ ہو گا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے...... اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنظلیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ سے سوال کیا گیا: (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے؟) تو آپ نے فرمایا: (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کا معیار تو متعین ہے اور اس کے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ نے مختلف اوقات میں اس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰، ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں...... اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰، ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقوے کا مقام ہے۔

سوال میں بہر حال ذلت ہے

۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلِةِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے بر سر منبر ایک دن فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لئے مؤمن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

۲۵) عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ اَنَّ الْفِرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَسْأَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا وَاِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ.　　(رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: ابن الفراسی تابعی اپنے والد فراسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو

۲۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَا اِمَّابِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْغِنًى اٰجِلٍ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی، تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا، یا تو جلدی موت دے کر (اور اگر اس کی موت کا مقرر وقت آ گیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت

۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَايَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ

فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَايَسْئَالُ اَحَدًا شَيْئًا — (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضرت (ﷺ)! میں یہ عہد کرتا ہوں ...... راوی کا بیان ہے کہ اس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے۔

اگر بغیر سوال اور طمع نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہئے

۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِيْنِى الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهِ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّىْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کبھی مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ: حضرت (ﷺ)! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟ تو آپ (ﷺ) فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنالو (پھر چاہو تو) صدقہ کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنالو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تو تم نے اس کے لئے سوال کیا اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو (تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر) لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔

جب تک محنت سے مل سکتا ہو سوال نہ کرو

۲۹) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِىَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْمَنَعُوْهُ. (رواہ البخاری)

حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی (ضرورت مند) آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لے کر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچالے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے پھر خواہ وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔

۳۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْأَلُهٗ فَقَالَ اَمَا فِىْ بَيْتِكَ شَيْئٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَهٗ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ اِئْتِنِىْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ

الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَا هُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اِشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَاْتِنِيْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْئَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَاتَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْلِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْلِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس اور غریب شخص) انصار میں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور (اپنی حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: پس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ (باقی بس اللہ کا نام ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے وہ دونوں لا کر آپ ﷺ کو دے دیں۔ آپؐ نے وہ کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیا، اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا: کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر تیار ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے (یہ بات آپؐ نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی) ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! میں یہ دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے دو درہم لے لئے اور ان انصاری کے حوالے کئے اور ان سے فرمایا کہ: ان میں سے ایک کا تو تم کھانے کا کچھ سامان (غلہ وغیرہ) لے کر اپنی بیوی بچوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید دو اور اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا، اور ان سے فرمایا: جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو، اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو) چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا لا کر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار میں دس بارہ درہم کما لئے تھے جن میں کچھ کا انہوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اپنی محنت سے یہ کمانا تمہارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے درست ہے: ایک وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور بالکل لاچار کر دیا ہو۔ دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی ڈنڈ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی ادائیگی اس کے امکان میں نہ ہو) تیسرے وہ جس کو کوئی خون بہا ادا کرنا ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح .....یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا، اس کی امت میں پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں۔ یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات

(۳۱) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِى الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. الاٰيَة...... (رواه الترمذى وابن ماجة والدارمى)

ترجمہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ...... الاٰيَة (البقرہ ۲: ۱۷۷)

اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو یا مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قرابت داروں پر اور یتیموں، مسکینوں پر اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ...... الخ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح .....حدیث کا مقصد و منشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبت زدہ مسافر ایسی حالت میں اسکے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورتمندوں، محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمال بر (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا

ہے - اس سے معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقل ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر، غریب، ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے

۳۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے - پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کہے - لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے - اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے ..... حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اس کے لئے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے، اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات

۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ يَا بْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے

آدمؑ کے فرزند! تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا...... اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معلوم ہے اور انکے ساتھ انکے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

فائدہ...... پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات بیان فرمائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو "حدیث قدسی" کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے۔

۳۴) عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں کتنا راہ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دو گی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دو گی تو وہ بھی تم پر اپنی نعمتیں بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے آدمؑ کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اس کا راہ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے برا ہے، اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس پر پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ مثلاً اس کے اہل و عیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

۳۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَابَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَابَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفِهَا ...... (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا کہ: صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس دست کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا در اصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا۔) (جامع ترمذی)

انفاق کے بارے میں اصحاب یقین و توکل کی راہ

۳۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْكَانَ لِيْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ اَنْ لَايَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْئٌ اِلَّا شَيْئٌ اَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہو گی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچا لوں۔ (صحیح بخاری)

۳۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَّعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِنْ تَمَرٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَابِلَالُ؟ قَالَ شَيْئٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ والی متوکلانہ زندگی کا

طریقہ اپنایا تھا۔ ان کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں...... لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لئے اس طرز عمل کی گنجائش نہ تھی...... ع

"جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے...... کہ اللہ کا جو بندہ خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا...... وہ اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دستی سے راہ خدا میں صرف نہ کریں بڑے خسارے میں ہیں

۳۹) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَاهُمْ۔**

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں...... مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ: دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے در اصل کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات

۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۴۱) عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَتُهُ. (رواہ احمد)

ترجمہ۔ مرثد بن عبداللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مؤمن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔ (مسند احمد)

تشریح ..... حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اس دن کی تپش اور تمازت سے اس کو بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے

۴۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ — (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے — اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور خاکساری کا رویہ اختیار کرے اللہ

تعالیٰ اس کو رفعت اور بالاتری بخشے گا۔ (صحیح مسلم)

۴۳) **عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ يَانَبِىَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الصَّدَقَةَ مَا هِىَ قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَاللّٰهِ الْمَزِيْدُ.** (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے؟) آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ واللّٰہ یضاعف لمن یشاء اس کا خزانہ لا انتہاء ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہو گا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب

۴۴) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرًى كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضَرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ.** (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربمہر شراب طہور پلائے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۴۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا كَانَ فِىْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ.**

(رواه احمد والترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے

تھے: جس بندے نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ وامان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔

(۴۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَاقَالَ يَااَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُو السَّلَامَ وَاَطْعِمُو الطَّعَامَ وَصِلُو الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا لْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو میں (آپ ﷺ کو دیکھنے سمجھنے کے لئے) آپ کے پاس آیا، جب میں نے غور سے آپ ﷺ کا روئے انور دیکھا تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک و شبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سب سے پہلی جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: "اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرے اس سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں اور تعلق بڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھلاؤ، اور آپس میں صلہ رحمی کرو (یعنی قرابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے

(۴۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غُفِرَ لِامْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطْشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَلَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَافِى الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍرَطْبَةٍ اَجْرٌ...... (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بد چلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر ہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا۔ وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنا چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کر اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی..... کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے۔

(۴۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْطَيْرٌ اَوْبَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس درخت یا اس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا

[illegible]

۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ ......

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تاکہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔

تشریح... بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے مغفرت اور داخلۂ جنت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بد چلن عورت کی مغفرت کی جو خوشخبری دی گئی ہے اور اس حدیث میں راستے سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلہ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

[illegible]

۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو، اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے۔) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو، یہاں تک

کہ جب موت کا وقت آ جائے اور جان کھنچ کر حلق میں آ جائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔

تشریح..... انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی، ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا، لیکن جب موت سامنے آ جاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی تو انہیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی اور توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اس کے باوجود وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور آخرت کے ثواب کی امید میں اور ربِ کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کر اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لئے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین و فقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے، کپڑے پر، حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا صدقہ اور کارِ ثواب ہوگا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

(۵۱) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی صاحبِ ایمان بندہ اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا

مستحق ہوگا)۔

۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔

۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عِنْدِیْ دِيْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرَ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک دینار ہے (بتایئے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: (سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کردو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے اہل قرابت میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے)۔

غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ ﷺ نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثواب آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ مؤمن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا۔ عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے ان حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے۔ ہاں وہ خاصان خدا جن کو توکل و اعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور ان کے اہل و عیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو ان کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں، پیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں جو کھانا ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلادیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل یہی تھا۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (سورۃ الحشر)

اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت

٥٤) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ - (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے

٥٥) عَنْ زَيْنَبَ اِمْرَاةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعتُ اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ بَلْ اِئْتِيْهِ اَنْتَ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا اِمْرَاءَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ اِمْرَاَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى اَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى اَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ هُمَا قَالَ اِمْرَاَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ اِمْرَاَةُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُالْقَرَابَةِ وَاَجْرُالصَّدَقَةِ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ: اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگر چہ تم کو اپنے زیورات میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو (کہ اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مند پر خرچ کر دوں گی..... کہتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ تم خود ہی جا کر حضور ﷺ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہنچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر

ہوئی تھی)۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ ﷺ سے دو بدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے ہمیں خود آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ ﷺ کے خاص خادم اور مؤذن) حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ ہم دونوں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پا رہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ ﷺ کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: وہ کون عورتیں ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کونسی زینب؟ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (ان کا صدقہ ادا ہو جائیگا، بلکہ اس صورت میں) ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرُ حَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِىْ اِلَىَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَاللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَاِنِّىْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِى الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِىْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِىْ عَمِّهٖ — (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابو طلحہ انصاری تھے اور انہیں اپنے باغات اور جائیدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بیر حاء تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے ...... انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور مجھے اپنی ساری

مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بیر حاء ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور میرے لئے ذخیرہ ہوگا۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو بڑی نفع مند اور کار آمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (اور تمہارا منشاء سمجھ لیا) میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں میں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح..... بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب ابی بن کعب، حسان بن ثابت، شداد بن اوس اور نبیط بن جابر پر تقسیم کردیا تھا..... یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

فائدہ..... چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے اور زیادہ تر معاملات انہیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی سے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس امید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی اور بلا شبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے..... رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی امید کرسکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا..... پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ ان کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے..... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اِنَّ اُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا

کہ: میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعتاً انتقال ہو گیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! پہنچ جائے گا۔ [illegible]

۵۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْئٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيْ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا۔** (رواہ البخاری)

[illegible] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال جس وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ ان کے لئے نفع مند ہو گا (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف اپنی والدہ مرحومہ کے لئے صدقہ کر دیا۔ [illegible]

۵۹) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اَبِيْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ يُوْصِ فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ.** (رواہ ابن جریر فی تہذیب الآثار)

[illegible] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ ایسا صدقہ ان کے لئے کفارۂ سیئات اور مغفرت و نجات کا ذریعہ بن جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)۔ [illegible]

۶۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ يَّنْحَرَ مِائَةَ بُدْنَةٍ وَاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهٗ خَمْسِيْنَ وَاَنَّ عَمْرًوا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْكَ لَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذٰلِكَ.** (رواہ احمد)

[illegible] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے باپ ایمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی

طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے، تو ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا، لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آسکتا)۔ (مسند احمد)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا..... گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مؤمن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہنچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبحان اللہ وبحمدہ کتنا عظیم فضل واحسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے ہدیئے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر امت کے ائمۂ حق کا اجماع بھی ہے — ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے حجتِ دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ سے انکار کیا ہے..... اس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل مبسوط رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے ہر شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ الحمد للہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے۔

کتاب الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کر کے کتاب الصوم شروع کرتے ہیں۔

اللّٰهُمَّ لكَ الحَمْدُ وأنتَ المُسْتَعانُ

معارِفُ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الصوم

قال اللہ تبارک وتعالیٰ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرة ۔ ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تا کہ تمہارے اندر تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔

وہ حدیثیں اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کے بالکل شروع میں ذکر کی جاچکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرز حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشوونما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے۔ اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ کی جو تاثیری خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جاچکی ہیں۔ روزے کی اس تاثیر و خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کیساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لعلکم تتقون" یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہئے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے۔ اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملاءِ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کرسکے۔ روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرہ ٢٠٥: ١٨٣)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

بہر حال روزہ چونکہ انسان کی قوت بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا۔ اس آخری امت کے

لئے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوع سحر سے غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلا شبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکورۂ بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا۔ مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابل برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا...... بہر حال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کیلئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا...... پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت پر رائج ہے..... دن کے روزوں کے ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ان مختصر تمہیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

رمضان کے فضائل و برکات

(٦١) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ:......** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں (اور ایک روایت میں بجائے ابواب الجنۃ کے ابواب الرحمۃ کا لفظ ہے)۔

تشریح...... استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ...... اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دعا و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام

مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضاء کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر و خباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی ان کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

۶۲) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَیُنَادِی مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِكَ كُلُّ لَیْلَةٍ** (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رک، آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گناہ گار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔ [illegible]

تشریح..... اس حدیث کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا، آخر میں عالم غیب کے منادی کی جس کی ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سن سکتے، لیکن اس کا یہ

اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملاء اعلیٰ کی اس ندا اور پکار ہی کا ظہور اور اثر ہے۔

(٦٣) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ. (رواه البخارى و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ ﷺ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرائیل امین آپ ﷺ سے ملتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرئیل آپ ﷺ سے ملتے تو آپ ﷺ کی اس کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آجاتی اور زور پیدا ہوجاتا

[illegible]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یوں تو رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ ﷺ کی طرح مبارک کے لئے بہار و نشاط اور نشر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبرئیل امین آتے تھے اور آپ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

(٦٤) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِى اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهِ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَاَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ نے ہم کو ایک خطبہ دیا ..... اس میں آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے ..... آپ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تاآنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا ..... (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا .....

تشریح ..... اس خطبہ نبوی کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے:

۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب

بندے اس ایک رات میں قرب الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصول رضائے خداوندی اور قرب الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا ..... گویا لیلۃ القدر کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے — دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے۔ اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بے چارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: "اس بابرکت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔" اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا۔ خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانہ حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔"

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس

لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت ومغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے ... اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو آخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرمادیتا ہے ..... اس تشریح کی بناء پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورۂ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ

۶۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهُ لِىْ وَاَنَا اَجْزِىْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ اَجْلِىْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّىْ امْرَءٌ صَائِمٌ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص وخشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرف باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ

(دنیا میں شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لئے ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا ٹنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ: "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے الجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ: بھائی! میرا روزہ ہے۔ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتی کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہے ...... ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہو گی) فرمایا گیا ہے کہ: جو شخص روزہ رکھے لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

(۶۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الریان" کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہو گا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے؟ وہ اس پکار پر چل پڑیں گے۔ اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاطر صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہو گا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ ...... "بندہ کا روزہ بس میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا"۔

۶۷) **عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِاَمْرٍ یَنْفَعُنِیَ اللّٰهُ بِهٖ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ.** (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے، جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح: نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا۔

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے پس حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہئے کہ ابوامامہؓ کے خاص حالات میں ان کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابوامامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم۔

روزے اور تراویح باعث مغفرت

۶۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ** — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے

ساتھ نوافل پڑھیں گے انکے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

...اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں..... یہ ایمان واحتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور اس کے وعدہ وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان واحتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان واحتساب ہمارے اعمال کے قلب وروح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان واحتساب کے ساتھ بندوں کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان واحتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت

٦٩ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں ان کے روزوں کی اور نوافل میں ان کے پڑھے ہوئے یا سنے ہوئے قرآن پاک کی سفارش قبول ہوگی، یہ ان کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے ان خوش بختوں کے ساتھ کر دے۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابل تلافی

۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَه

(رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی والبخاری فی ترجمۃ باب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا) وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہو گئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی......

تشریح...... حدیث کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہو سکتی، اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا...... پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہنچاتے ہیں۔

روزے میں معصیتوں سے پرہیز

۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ — (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے، تو اللہ کو اسکے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پرواہ نہیں۔

عشرۂ اخیرہ اور لیلۃ القدر

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِىْ غَيْرِهٖ.
(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

۷۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیر شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں)۔

۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِى الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ یعنی اکیسویں یا تیئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں۔ شب قدر کی اگر اس طرح تعیین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مزید نشاندہی کی طور پر فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے اس کا زیادہ امکان ہے، لہٰذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

۷۵) عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يُقِمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَا يَتَّكِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِىْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِىْ اَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِاَىِّ شَىْءٍ تَقُوْلُ ذَالِكَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْقَالَ بِالْاٰيَةِ الَّتِىْ

اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا...... (رواہ مسلم)

ترجمہ زر ابن حبیش جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہوگا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پاسکے گا...... زر ابن حبیش نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک ہی رات کی عبادت پر) قناعت نہ کرلیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے انتیسویں یا تیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انہوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ: وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے قسم کے ساتھ) انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (زر ابن حبیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے ابوالمنذر! (یہ حضرت ابی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بناء پر فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور پر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی تھی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جو ایک خاص نشانی بتائی تھی انہوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے یقین کے ساتھ انہوں نے رائے قائم کرلی تھی...... رسول اللہ ﷺ نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کبھی عشرۂ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا، کسی خاص رات کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے...... اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

۷۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ كُبْكُبَةٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْقَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل

علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے ...... [illegible]

شب قدر کی خاص دعا

۷۷) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِىْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَفَاعْفُ عَنِّىْ......** (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا یہ عرض کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَفَاعْفُ عَنِّىْ

اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور بڑا کرم فرما ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ پس تو میری خطائیں معاف فرمادے!۔ [illegible]

تشریح...... اس حدیث کی بناء پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کی آخری رات

۷۸) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِىْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِىَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ.** (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ [illegible]

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اس کا استحقاق پیدا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف

رمضان مبارک اور بالخصوص اسکے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے..... اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے، اور سب سے الگ تنہائی میں اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیل سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے..... تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ [1] اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کر دی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھائے نہ پئے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے..... پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاء اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔ اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے۔ اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اسکی راتیں..... ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے..... رسول اللہ اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا..... اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے:-

[1] كما رواه البيهقي واختاره ابن اسحاق. راجع فتح الباري

۷۹) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ۔** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ازواج مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔

۸۰) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ۔** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے، تو اگلے سال بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ مذکورہ نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیر میں آپ ﷺ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

۸۱) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَّلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَّلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس و کنار کرے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے ان حوائج کے جو

بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی یہ کہے کہ "سنت" یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا طرز عمل سے جانا ہے۔ اس لئے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں "مسجد جامع" کا جو لفظ ہے اس سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔ یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو...... حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

۸۲) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيَجْرِىْ لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا ......** (رواه ابن ماجة)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرف جاری رہتا ہے، اور نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح ...جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار، مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا۔ جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کی صحیفہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رؤیت ہلال

شریعت اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس وقت یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ

پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ ایک عامی اور بے پڑھا دیہاتی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی طرح بند اور روزے کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کئے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا رکھا گیا، اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق سے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسا ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا رکھا گیا...... ظاہر ہے کہ ان اوقات کو جاننے کے لئے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے اس کو جان سکتا ہے، اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیش نظر نماز اور روزہ کو ان اوقات کے لئے سورج کے طلوع و غروب اور اتار چڑھاؤ کو معیار اور نشان قرار دیا گیا، اسی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ ان اعمال اور عبادات کے لئے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا، اور بجائے شمسی سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جو خود دیکھ کر ہر عام آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، ہر قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لئے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہر حال شریعت اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظام قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے رسول اللہ نے جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، تو یہ بھی بتایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آ جائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو، اور اسی طرح رمضان کے روزے ۲۹ یا ۳۰ رکھو...... پھر آپ نے مختلف موقعوں پر رؤیت ہلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں...... اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے :

۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ : رمضان کا روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو)......

۸۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ — (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔

مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارومدار رؤیت ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے ..... صرف کسی حساب یا قرینہ وقیاس کی بناء پر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ..... پھر رؤیت ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کر ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رؤیت ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

۸۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ...... (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔

مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیش نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے، اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

۸۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آ جاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرما دیتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت

۸۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِىْ هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ اَذِّنْ فِى النَّاسِ اَنْ يَّصُوْمُوْ غَدًا...... (رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند۔) رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا تم لاالٰہ الااللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں! میں لاالٰہ الااللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اور کیا تم محمد ارسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں اس تصدیق کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کر دو کہ کل سے روزے رکھیں۔ [illegible]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رؤیت ہلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔

۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَ آ النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنِّىْ رَاَيْتُهٗ فَصَامَ وَاَمَرَالنَّاسَ بِصِيَامِهٖ ۔ (رواه ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں۔ [illegible]

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، ابر یا غبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقے سے آیا ہو، لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس بستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور

قابل اعتبار مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابل اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے..... دار قطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ :ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والی مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کرلی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلٰى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيْزُ شَهَادَةَ الْاِفْطَارِ اِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

(رسول اللہ ﷺ نے رؤیت ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے۔)

رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

شریعت اسلام میں پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے۔ لیکن حدود و شریعت کی حفاظت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بیچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں، اسلئے اسکی ممانعت فرمادی گئی۔

۸۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذَالِكَ الْيَوْمَ** ...... (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دن پہلے سے روزے نہ رکھے، اِلّا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے تو اگر ۲۹، ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۹۰) **عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِىْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ**

(رواه ابو داؤد، والترمذى، والنسائى، وابن ماجه والدارمى)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابوالقاسم کی نافرمانی کی۔

سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہو اور چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو، اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو تو شریعت میں اس شک اور وہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بناء پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ نے منع فرمایا ہے، اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو چکا، ایسی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سحری کے بارے میں ہدایت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِى السَّحُوْرِ بَرَكَةً...... (رواه البخارى ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا امت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ یا افضل سمجھنے لگیں، اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اور اس لئے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلسَّحُوْرُ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوْهُ وَلَوْ اَنْ يَّجْرَعَ اَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ.

سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت تک پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے، کیونکہ سحری میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے، اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

۹۰ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ. (رواه مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لئے سحری نہیں ہے، اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہئے، اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر

۹۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا.**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے۔ (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔

۹۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ......**

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔

تشریح..... اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں ماعجلوا الفطر کے آگے واخروا السحور بھی ہے (یعنی اس امت کے حالات اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرز عمل رہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس میں عام بندگان خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاری کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگڑیں گے - افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھالی جائے بلکہ جب صبح صادق کا

وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا۔

۹۵) عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالسُّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلد ہی) آپ ﷺ نماز فجر کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... صحت مخارج اور قواعد قرات کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے، اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سحری اور اذان فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فصل تھا۔

صوم وصال کی ممانعت

صوم وصال یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دنوں کی طرح راتیں بھی بلا کھائے پئے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ ﷺ کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ ﷺ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ ﷺ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

۹۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ فِى الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِىْ اِنِّىْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ ...... (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا مقصد اور منشاء یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکالیف میں مبتلا ہوں اور ان کی صحتوں کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کیساتھ مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَّهُمْ. (بخاری ، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ترحم اور شفقت کی بناء پر صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔

اور آگے درج ہونیوالی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو سحر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

۹۷) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَیُّکُمْ اَرَادَ اَنْ یُّوَاصِلَ فَلْیُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَسْتُ کَهَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَّسْقِیْنِیْ.** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بناء پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ کو صوم وصال میں خاص کر رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپ ﷺ کی روح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر روحانی غذا سے بھی کی جا سکتی ہے ..... اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے ..... لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اس وقت آپ ﷺ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عوام خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کس چیز سے بہتر ہے؟

۹۸) **عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ صَائِمًا فَلْیُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ فَاِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ.** ..... (رواه احمد و ابو داؤد والترمذی و ابن ماجه والدارمی)

حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اسلئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

...... اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غربا اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

۹۹) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ** ...... (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

افطار کی دعا

۱۰۰) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ.** (رواہ ابو داؤد)

معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت۔ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا)۔

۱۰۱) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ.** (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: پیاس چلی گئی، اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا۔

...... یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہو گئی، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی، اور انشاءاللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا...... یہ اللہ کے حضور میں آپ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہئے...... مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے

تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ افطار کے وقت دعا کرتے تھے: یا واسع الفضل اغفرلی (اے وسیع فضل وکرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

۱۰۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ فَطَّرَ صَآئِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ......
(رواه البيهقى فى شعب الايمان ورواه محى السنة فى شرح السنة)

ترجمہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔ ([illegible])

تشریح..... اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شان کرم سے آشنا نہیں ہیں انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں..... اللهم انت كما اثنيت على نفسك۔

مسافرت میں روزہ

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ، ۲:۱۸۵)

اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے سہولت اور آسانی منظور ہے، وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

اس آیت سے خود معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے کبھی سفر میں

روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں ۔ اس سلسلے کے آپ ﷺ کے ارشادات اور طرزِ عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

۱۰۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ ...... فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ......** (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے جو بہت روزے رکھا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہو تو رکھو اور چاہو نہ رکھو

۱۰۴) **عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ...... فَكَانَ اِبْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ.**

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ ﷺ برابر روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے (وہاں سے آپ ﷺ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ ﷺ نے پانی منگوایا، پھر آپ ﷺ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو پیا) پھر مکہ پہنچنے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب ماہ رمضان میں پیش آیا..... تو ابن عباس رضی اللہ عنہ (اسی بناء پر) کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں، تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے

تشریح: اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا، اس میں آپ ﷺ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پہ پہنچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۶،۳۵ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آ جائے تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپ ﷺ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضاء کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ

قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپ ﷺ شروع سفر ہی سے قضاء کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح بالاعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے۔ جب رسول خدا ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "یہ لوگ خطاکار اور گناہ گار ہیں" (کیونکہ انہوں نے منشاء نبوی ﷺ کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگرچہ نادانستہ اور غلط فہمی سے کی، لیکن "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

۱۰۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِسِتَّ عَشَرَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ ...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے چلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہویں رمضان کو، تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بناء پر قضاء کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضاء سفر کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضاء کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا۔)

۱۰۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُواالْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُاالرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعضے روزے رکھتے تھے، اور بعضے روزے قضاء کرتے تھے تو ایک دن جب کہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے، تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انہوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں) کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آج روزے قضاء کرنے والے ثواب مار لے گئے۔ (یعنی انہوں نے زیادہ ثواب کما لیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَّرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَاهٰذَا؟ قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ صاحب روزہ دار ہیں (ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اس لئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ

جمع ہوگئے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

تشریح..... آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضاء کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کو ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضاء کرنا ضروری ہے اور اس میں اللہ کی رضا ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

فرض روزوں کی قضا

۱۰۸) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَابَالُ الْحَائِضِ تَقْضِى الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِى الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيْبُنَا ذَالِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوة. (رواه مسلم)

ترجمہ: معاذہ عدویہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایام حیض میں جو روزے قضا ہوتے ہیں ان کی تو قضا ہو جاتی ہے اور جو نمازیں قضا ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھی جاتی؟ ام المومنین نے فرمایا کہ: (بس اللہ و رسول کا حکم ہے) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے (اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو ان دنوں کے قضا شدہ روزے رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور قضا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم)

نفس کی خواہش سے بلا عذر شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفارہ

۱۰۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَالنَّبِىِّ ﷺ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى اِمْرَاَتِىْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا...... قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِىُّ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ اُتِىَ النَّبِىُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمَرٌ (وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخم) قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى اَفْقَرَمِنِّىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْن) اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ فَضَحِكَ النَّبِىُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے۔) آپ نے فرمایا: کیا ہو گیا؟ اس آدمی نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے)۔ آپ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟ اس آدمی نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھو؟ اس نے عرض کیا کہ: یہ بھی میرے بس کی بات نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اس نے عرض کیا کہ: مجھے اس کی بھی مقدرت نہیں ..... آپ نے فرمایا: تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لئے پیدا کرے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ)۔ رسول اللہ بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی ابھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک بہت بڑا بورا آیا۔ آپ نے پکارا کہ: مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس بورے کو لے لو (اور اپنی طرف سے) صدقہ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ ( )! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہوں؟ خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی) میں کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اس کی اس بات پر) رسول اللہ کو (خلاف عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ کے دائیں بائیں کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہو گئیں (حالانکہ عادت مبارکہ صرف تبسم کی تھی) پھر آپ نے اس آدمی سے فرمایا: اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل و عیال ہی کو کھلا دو .....

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی مقدرت ہو تو غلام آزاد کرے، اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ..... جمہور ائمہ و فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہو گا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو۔ یا اس صورت میں بھی واجب ہو گا جب کسی نے دانستہ کچھ کھا پی کے روزہ توڑ ڈالا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے ..... لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا، اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لئے اگر کسی نے دانستہ کھا پی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہو گا۔

اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ نے ان صاحب واقعہ صحابی کو

کھجوروں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے آپ نے اس بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں۔ اس کے بارے میں جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح ان کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے ان کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اس وقت اجازت دے دی اور کفارہ ان کے ذمہ واجب رہا۔ اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور امام زہری وغیرہ ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار علمی فائدے اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہوگا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ نے اپنے ارشادات یا عمل سے واضح فرما دیا کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

۱۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا پی لیا تو (اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے) وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے (اس نے خود ارادہ کر کے روزہ نہیں توڑا ہے، اس لئے اس کا روزہ علیٰ حالہ ہے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ لَا یُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَیْئُ وَالْاِحْتِلَامُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ان تین چیزوں سے روزہ

نہیں ٹوٹتا۔ پچھنے لگوانا، قے ہو جانا اور احتلام۔ (جامع ترمذی)

۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَسَأَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِیْ رَخَّصَ لَهٗ شَیْخٌ وَاِذَا الَّذِیْ نَهَاهُ شَابٌّ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنے لپٹنے کے بارے میں سوال کیا (کہ اس کی گنجائش ہے یا نہیں) آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ گنجائش ہے، اور دوسرے ایک صاحب نے آکر آپ ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ممانعت فرمادی (اور اجازت نہیں دی) تو جن کو آپ ﷺ نے گنجائش بتلائی تھی وہ بوڑھی عمر کے آدمی تھے اور جن کو ممانعت فرمائی وہ جوان تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ... فرق کی وجہ ظاہر ہے، جوان آدمی کے لئے چونکہ اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس کی خواہش اس پر غالب آجائے گی اور وہ روزہ خراب کر بیٹھے اس لئے آپ نے جوان سائل کو اجازت نہیں دی، اور بوڑھا آدمی چونکہ اس خطرے سے نسبتاً مامون ہوتا ہے اس لئے بوڑھے سائل کو آپ ﷺ نے رخصت اور گنجائش بتلادی۔

۱۱۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِشْتَكَیْتُ عَیْنَیَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ میری آنکھ میں تکلیف ہے تو کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لگا سکتے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... معلوم ہوا کہ آنکھ میں سرمہ یا کسی دوا کے لگانے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا۔

۱۱۴) عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَالَا اُحْصِیْ یَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ ...... (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اتنی دفعہ کہ میں شمار بھی نہیں کر سکتا، روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۱۱۵) عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ بِالْعَرْجِ یَصُبُّ عَلٰی رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطْشِ اَوْمِنَ الْحَرِّ ۔ (رواہ مالک و ابو داؤد)

ترجمہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام عرج میں دیکھا، آپ ﷺ روزے سے تھے اور پیاس یا گرمی کی (شدت) کیوجہ سے سر مبارک پر پانی بہا رہے تھے۔ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح ... معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے سر پر پانی ڈالنا اور اس قسم

کی دوسری تدابیر کرنا جائز ہے، اور یہ روزہ کی روح کے بھی خلاف نہیں ہے۔ رسول اللہ اس طرح کے بعض اعمال اس لئے بھی کرتے تھے کہ اس طرز عمل سے اپنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو بندگی کی روح ہے..... نیز امت کے لئے آپ سہولت کا نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے..... اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر اور اس کا سلام۔

عرج، مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے تین منزل پر ایک آباد موضع تھا، اس لئے یہ واقعہ کسی سفر کا ہے، ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو، جو رمضان مبارک میں ہوا تھا، اور آپ نے مقام عسفان پہنچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قُلْتُ لَابَاسَ قَالَ فَمَهْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر سخت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا، اور میں نے (اپنی بیوی) کا بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ اگر تم پانی منہ میں لے کر کلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی۔ آپ نے فرمایا: تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی، بلکہ ایک اصول اور قاعدہ کلیہ معلوم ہو گیا، اور وہ یہ کہ دراصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے، اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منہ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا، اسی طرح بوس و کنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے..... ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے..... جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا۔

نفلی روزے

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور

تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی امت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں، اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں، بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں ..... اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِكُلِّ شَیْئٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ.....

(رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر چیز کی کوئی زکوۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور جسم کی زکوۃ روزے ہیں۔

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت

۱۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَصُوْمُ وَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِیَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَیْتُهٗ فِیْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِیَامًا فِیْ شَعْبَانَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے ..... اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

تشریح ..... حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ کا کوئی لگاؤ بندھا دستور و معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امت کے لئے؟ آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے

فرض کئے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے ہوں ..... بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مہینے میں بارگاہ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوتا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آ رہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے

(۱۱۹) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

تشریح: رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور

پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں ... پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینے میں تین نفلی روزے کافی ہیں

۱۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاعَبْدَ اللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَاَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَاِفْطَارُ يَوْمٍ وَاَقْرَءْ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ...... (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے) اللہ کی عبادت کرو۔ سنو) جو ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے، اس لئے تم ہر مہینے بس تین روزے رکھ لیا کرو، اور مہینے میں ایک قرآن (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کر لو، اور یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔ [illegible]

تشریح ...... عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور اس کی عبادت میں اعتدال اور میانہ

روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے انہیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن پڑھنے کے لئے فرمایا اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میں باآسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہٰذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجئے تو آپ ﷺ نے ان کو صوم داؤدی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمادیا لیکن اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صوم داؤدی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں صرف پانچ دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور بعض صحابہ کو حضور ﷺ نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔[1]

۱۲۱) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰى عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ قَالَ لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيْقُ ذَالِكَ اَحَدٌ؟ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذَالِكَ صَوْمُ دَاؤدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ اَنِّىْ طُوِّقْتُ ذَالِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَصِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِىْ بَعْدَهٗ وَصِيَامَ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ احْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ...... (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال پر رسول اللہ ﷺ کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر تکدر اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:

---

[1] جمع الفوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالے سے سعید بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مروی ہے۔

رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ.

ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول کی ناراضی سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلاناغہ روزے رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کسی میں اس کی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے: جو ہمیشہ ایک دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ (اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے۔) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے...... پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنا لے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں، میں امید کرتا ہوں اللہ تعالی کے کرم سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں۔) اور یوم عاشورا (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالی سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی۔

تشریح ...... حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ: آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی ...... یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق استاد اور مربی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت

کرنی چاہئے تھی۔ یعنی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرز عمل مناسب ہے؟ اس نے بجائے اس کے حضور کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں ان بہت سے اسباب کی بناء پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالح امت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرز عمل بھی اختیار کرتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہئے تھا۔ ... استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جزء ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور کی ناگواری کو محسوس کر کے مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا: رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا نعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله اس کے بعد آپ نے نفلی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسول اللہ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

جو شخص ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ: لا صام ولا افطر (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو الحسنة بعشر امثالها کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو صوم دہر کا ثواب مل جائے گا۔ ... مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یوم عرفہ اور یوم عاشورا کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضور نے امید ظاہر فرمائی کہ رب کریم کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطاکاریوں کا اور یوم عاشورا کا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو دراصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت میدان عرفات کا وقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم امت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اس وقت جب کہ آپ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزے سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن میں روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقرعید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم عاشورا کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاء اللہ درج ہوں گی۔

مہینے ... تین ... میں ... کا معمول

۱۲۲) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ صِيَامَ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ — (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشورا کا روزہ، (۲) عشرہ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے، (۳) ہر مہینے کے تین روزے، (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں (سنن نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ چار چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

۱۲۳) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِىْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا کہ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں) میں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس حصے میں رکھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں روزے رکھنے کا حضور ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا

ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا امت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعث زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابۂ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایامِ بیض کے روزے

۱۲۴) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔** (رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔)

۱۲۵) **عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُنَا اَنْ نَّصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ۔** (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ الحسنة بعشر امثالها کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

اوپر جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں، ان میں سے بھی بعض یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جارہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

١٢٦) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَّوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (١٠ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ ﷺ ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے،

لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے...... پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ یہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ ﷺ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا اور سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں۔

ان حدیثوں کی بناء پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی۔" اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

۱۲۷) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا لْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَاالشَّهْرَ يَعْنِىْ شَهْرَ رَمَضَانَ** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

۱۲۸) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَاتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ** (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم عاشورہ میں روزہ

رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے کے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انشاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے ..... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہئے ..... چنانچہ اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کا روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے، اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہو جائے گا ..... اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

عشرۂ ذی الحجہ اور یوم عرفہ کا روزہ

۱۲۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِى الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَّقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.**

(رواہ الترمذی)

ترجمہ ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے

روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔

اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرۂ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آ چکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

۱۳۰) **عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّیْ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَالسَّنَةِ الَّتِیْ قَبْلَهٗ.** (رواہ الترمذی)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

حضرت ابو قتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آ چکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو ادائے حج کے لئے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جا چکی ہے۔

بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو، جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے۔" اس میں شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے — سال کی ایک رات کو اس نے ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کریمی ہے۔ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مؤمن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرہویں شعبان کا روزہ

۱۳۱) **عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا كَانَتْ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقُهٗ اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَافِیْهِ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ.** (رواہ ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ: کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے۔ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔

تشریح اس حدیث کی بناء پر اکثر بلادِ اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے۔ اسکے ایک راوی ابو بکر بن عبداللہ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابل اعتماد ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابۂ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے — واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

١٣٢) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُعْرَضَ عَمَلِىْ وَاَنَا صَائِمٌ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں۔

١٣٣) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ.

(رواه الترمذى والنسائى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

۱۳۴) **عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ.**

(رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا! ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں۔" اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ ﷺ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہے..... وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

۱۳۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ..... قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.**

(رواہ الترمذی والنسائی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے تھے۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ ﷺ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

۱۳۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ.** (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الا یہ کہ جمعہ کی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس

صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح ..... جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ ورسول نے فرض وواجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض وواجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی..... اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلَثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضور ﷺ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ ﷺ نے کبھی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ اور جمعرات کا..... (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے)..... گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے۔ آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا، یہ بات حاکم مطلق کی شان حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری ہے۔

۱۳۸) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے منع فرمایا یوم الفطر کے روزے، اور قربانی کے دن کے روزہ رکھنے سے۔

۱۳۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمَ الْاَضْحٰے وَيَوْمِ الْفِطْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے منع فرمایا یوم الاضحٰے اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔

۱۴۰) عَنْ اَبِىْ عُبَيْدٍ مَوْلٰى ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَانِ يَوْمَانِ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْاٰخَرُ يَوْمٌ تَاْكُلُوْنَ فِيْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ. (رواہ مسلم)

ابو عبید مولی ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ: عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمہارے فطر کا دن ہے، اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے۔

۱۴۱) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)

نُبیشہ ہُذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔

تشریح .. حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں منشاء الٰہی کی مخالفت ہے، اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہے...... اور

نبیشہ ہذلی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اسلئے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوگا۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ توڑا بھی جا سکتا ہے

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گناہ گار بھی نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

۱۴۲) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ اَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَكَلَ —** (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے ہاں کھانے کے لئے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ: اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں ... پھر ایک اور دن آپ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ: آج ہمارے ہاں حَیس (خرما اور مکھن کا ملیدہ) ہدیہ آیا ہے، اس کو نوش فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دکھاؤ! ہم نے آج روزے کی نیت کرلی تھی ...... پھر آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا، اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے ..... اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

۱۴۳) **عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهِ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ اُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا.** (رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی)

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: فتح مکہ کے بعد (جب کہ رسول اللہ

مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے داہنی جانب تھیں۔ ایک بچی آپ ﷺ کے پینے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر ام ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں روزے سے تھی اور میں نے پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر نفلی تھا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

تشریح ..... اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں الصائم المتطوع امیر نفسه ان شاء صام وان شاء افطر (یعنی نفلی روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں ..... آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهُ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کا ہمارا جی چاہا، اور ہم نے اس کو کھا لیا۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے ہمارا جی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا (اور روزہ توڑ دیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہئے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

تم كتاب الصوم والحمد لله

معارِفُ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

(آل عمران ۳: ۹۷)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو نہ مانے تو اللہ کو
پرواہ نہیں دنیا بھر کی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن حج بیت اللہ ہے۔ حج کیا ہے؟...... ایک معین اور مقررہ وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں، اور طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت، احکم الحاکمین اور شہنشاہ کل ہے، اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ ان تمام صفات جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے جس کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ...... بلکہ صرف وہی...... محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں...... ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن نماز اسی کا خاص مرقع ہے اور اس میں یہی رنگ غالب ہے۔ اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے...... اور اس کی دوسری شان محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔ روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا مرقع ہے۔ سلے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجر اسود) کو چومنا، اور اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا، پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر جمرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں...... اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حج ہے، اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلہ معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بیان ہے، اور ان میں آخری رکن "حج بیت اللہ" بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا، اور اس کے اگلے سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد کے ساتھ حج فرمایا، جو

[illegible] کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ۔ الْاٰيَةِ...... (المائدہ ۵ : ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں "[illegible]" کہتے ہیں اور ابراہیمی و محمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہو جائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا، اور وہ نعمت عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی جس سے بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر کہے اور مست ہو ہو کر کہے

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است ٭ افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ٭ کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

حج کی فرضیت اور فضیلت

(۱۴۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْقُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِىْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِ هِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَاْتُوْ مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَدَعُوْهُ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو...... ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دوہرایا، تو آپ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ: اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ: "ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا" تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادا نہ کر سکتے..... اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو..... تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے..... لہٰذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال وجواب جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورۂ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (آل عمران ۳:۹۷)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ: "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟" لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا، اسی لئے ان سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔" اس کا منشاء اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی..... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرت سوال اور قیل وقال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انہوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اس کو ترک کر دو۔"

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

۱۴۶) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا**

عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَّذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا.

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں"۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اس طرح کی وعید ہے جس طرح ترک نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

"اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ."

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لئے ترک نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورہ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالے کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے) اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور کی وعید سنائی گئی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۱۴۷ **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ ـ**

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سامان سفر اور سواری۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قرآن مجید میں فرضیت حج کی شرط کے طور پر "من استطاع الیه سبیلا" فرمایا گیا ہے، یعنی حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں..... اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس کی استطاعت کا متعین معیار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک تو سواری کا انتظام ہو جس میں مکہ معظمہ تک سفر کیا جا سکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو..... فقہائے کرام نے اس گزارے میں ان لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ كَیَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: الحج اشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاص کر زمانہ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

۱۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَیْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے اس کے درمیان کے گناہوں کا۔ اور "حج مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پے در پے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح: جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور مزید برآں حج مبرور کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

۱۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُاللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَلَهُمْ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَلَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهُ فَاِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔ (مسند احمد)

۱۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ...... (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ

دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کیلئے اور راہ جہاد کرنے والے کیلئے مقرر ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح ..... اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (النساء ۴ : ۱۰۰)

اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا تقاضا ہے۔ وکان اللہ غفورا رحیما

میقات، احرام، تلبیہ

کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں، ان پر عمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدان حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو..... کرتا، پاجامہ، صدری، شیروانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں، اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصے میں ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے۔[1] اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ بندہ ایسی ہیئت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی و بے مائگی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو..... لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور ان آداب کے پابند ہو کے روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حجاج کئی کئی ہفتے کا بری اور بحری سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے، اس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کے لئے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا

---

[1] احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سلے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور اسی طرح پاؤں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

عمرہ کیلئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہنچیں تو "بیت اللہ" اور "بلد اللہ الحرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں ...... مختلف سمتوں کے یہ معین مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی "میقات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دوگانہ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کر تلبیہ پڑھا جاتا ہے:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ."

اس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی محرم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں ...... جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مواقیت، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث پڑھئے:

مواقیت

۱۵۴) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَاالْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمَهَلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ وَكَذَا كَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جحفہ کو اہل شام کا اور قرن المنازل کو اہل نجد کا، اور یلملم کو اہل یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود ان کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور ان سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ ان مقامات کے ورے ہوں (یعنی ان مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۵۵) **عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقِ الْاٰخَرِ الْجُحْفَةُ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَّمَهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمْ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل

مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا چاہئے) ذوالحلیفہ ہے، اور دوسرے راستہ سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے، اور اہل عراق کا میقات، ذات عرق ہے، اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے، اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے۔ (۱) ذوالحلیفہ، (۲) جحفہ، (۳) قرن المنازل، (۴) یلملم...... اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے، جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستہ سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں سے" مراد اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق رہے گا...... بہر حال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے ہیں ان سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

ذوالحلیفہ: جو اہل مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہ پڑتا ہے، یہ مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستے سے قریباً ڈھائی سو میل ہے...... چونکہ اہل مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے، دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

جحفہ: یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجودہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے قریباً ۳۰، ۳۵ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یلملم: یہ یمن کیطرف سے آنے والوں کیلئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکہ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف سے آئیں "میقات" مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

احرام کا لباس

۱۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَّسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ محرم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیض پہنو اور نہ سر پر عمامہ اور نہ شلوار پاجامہ پہنو اور نہ بارانی پہنو اور نہ پاؤں میں موزے پہنو، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جوتا نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کیلئے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے جوتا سا بنالے (آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس لگا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں قمیض، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف ان چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیض، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے، ورس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتی ہے — یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالت احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا ورس لگی ہو۔

سوال کرنیوالے شخص نے پوچھا تھا کہ "محرم کون سے کپڑے پہنے؟" آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے۔" اس جواب میں گویا آپ ﷺ نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں

اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

۱۵۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَى النِّسَاءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذَالِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْحُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْقَمِيْصٍ اَوْخُفٍّ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں عورتوں کو احرام کی حالت میں دستانے پہننے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور ان کپڑوں کے استعمال سے جن کو زعفران یا ورس لگی ہو اور اسکے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسمی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں اور شلوار اور قمیض اور موزے بھی پہن سکتی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیض، شلوار وغیرہ سلے کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ہاں دستانے پہننے کی ان کو بھی ممانعت ہے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے..... سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ:

"ہم عورتیں حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے۔

احرام سے پہلے غسل

۱۵۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ. (رواه الترمذى والدارمى)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کیلئے۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح ..... اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے غسل کو سنت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دوگانہ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کر لیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہو گا۔

تلبیہ احرام

۱۵۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال جمے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حال ہوتا ہے۔) آپ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ.

میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، میں تیرے حضور حاضر ہوں، ساری حمد و ستائش کا تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں اور ساری کائنات میں فرماں روائی بھی بس تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں!

یہی کلمات تلبیہ آپ پڑھتے تھے، ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

تشریح ..... شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بلاوا دلوایا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھ کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بلاوے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوندا تو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا دلوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں۔

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت

۱۶۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِى الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِى الْحُلَيْفَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقہ آپکو لیکر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اسوقت آپ احرام کا تلبیہ پڑھتے۔

تشریح ..... صحابۂ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع

میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ: ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے، اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا اور گویا اس وقت سے آپ محرم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام بیداء پر پہنچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانہ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا۔ ... سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے **صحابہ کرام** کے اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ: "اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانہ احرام پڑھنے کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا، لیکن اس کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اس وقت آپ ﷺ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سنا اور پہلا نہیں سنا تھا، انہوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چل دی اور مقام بیداء پر پہنچی تو آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سنا تھا انہوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہنچے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے

۱۶۱) عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَانِىْ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِىْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِالتَّلْبِيَةِ.

(رواہ مالک والترمذی و ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: خلاد بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خلاد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

۱۶۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّىْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْمَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا مؤمن و مسلم بندہ

جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے: لبیک اللّٰھم لبیک الخ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے، خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں، وہ بھی اس بندے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

تشریح ...... یہ حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتے ...... بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لبیک کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اس کے داہنے اور بائیں کی ہر چیز لبیک کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لبیک کو نہیں سن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دعا

۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ. (رواه الشافعي)

ترجمہ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر محرم ہوتے) تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کی دعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے ...... (مسند شافعی)

تشریح اس حدیث کی بناء پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے ...... ظاہر ہے کہ مؤمن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے، اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے، اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دعا کرے۔ اللّٰهم انا نسألك رضاك والجنة ونعوذ بك من غضبك والنار۔

حجۃ الوداع یعنی رسول اللہ ﷺ کا آخری حج

اس بارے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے خود تو حج نہیں فرمایا، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کر سکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی ...... غالباً رسول اللہ ﷺ کے اس سال خود حج نہ

کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو، بلکہ از اول تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو، اور آپ کی دعوت ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو ... اس طرح دیا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبر کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ھ میں جو آپ کی حیات مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اس ارادۂ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کے خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دور و قریب کے ہزارہا مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینہ طیبہ آگئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا، اس دن آپ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جاکر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن یکشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ...... رفقاء سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے — چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجمعوں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں، جس نے جو عدد بتایا اپنے اندازے کے مطابق بتایا۔ باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا، تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد و حساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا۔ بہر حال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی

ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قریباً ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں بھی انجام نہیں پا سکتا۔ اسی سے بعض باتوفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکاتِ دین حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی۔

۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ فَسَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتّٰى اَنْتَهٰى اِلَيَّ فَقُلْتُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى رَاسِيْ فَنَزَعَ زِرِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّيَ الْاَسْفَلَ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَابْنَ اَخِيْ سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهٗ وَهُوَ اَعْمٰى وَحَضَرَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ فَقَامَ فِيْ نَسَّاجَةٍ مُلْتَحِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلٰى مَنْكِبَيْهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا اِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا وَرِدَائُهٗ عَلٰى جَنْبِهٖ عَلَى الْمِشْجَبِ فَصَلّٰى بِنَا فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنْ حَجَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ بِيَدِهٖ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَكَثَ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ اَنْ يَّأْتَمَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهٖ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اَتَيْنَا ذَالْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَصْنَعُ قَالَ اِغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَّاَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اِذَااسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى الْبَيْدَاءِ نَظَرْتُ اِلٰى مَدِّبَصَرِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَّمَاشٍ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَمِنْ خَلْفِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْاٰنُ وَهُوَ يَعْرِفُ تَاوِيْلَهٗ وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْئٍ عَمِلْنَا بِهٖ فَاَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ، وَاَهَلَّ النَّاسُ بِهٰذَا الَّذِيْ يُهِلُّوْنَ بِهٖ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْهُ وَلَزِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَلْبِيَتَهٗ.

ترجمہ: جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پرپوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہنچے، انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں؟ (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے انہوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ

(کرتے کے اندر لے جا کر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں ان دنوں بالکل جوان تھا [1]، اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: "مرحبا بك يا ابن اخي" (مرحبا! اے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسینؓ کی یادگار!!) جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہے بے تکلف پوچھو! (امام باقرؒ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپیٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو اس کے کنارے اٹھ کر ان کی طرف آ جاتے، حالانکہ ان کی رداء (یعنی بڑی چادر) ان کے قریب ہی کھونٹی پر رکھی ہوئی تھی (مگر انہوں نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا کہ: "مجھے رسول اللہ ﷺ کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات بتائیے؟"... انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آ کر نو سال تک کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ۱۰ھ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پا کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلے...... (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر جب روانگی کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس (جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں..... پھر رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہنچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں تھے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویّہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے

---

[1] محمد بن علی امام باقرؒ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ ملاقات انہوں نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں بھی کی ہو، تو اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً نوے سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہل مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔

تھے (تو جب آپ کی ناقہ بیداء پر پہنچی) اس وقت آپ نے بلند آواز میں توحید کا یہ تلبیہ کہا:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ."

اور آپ کے رفقاء صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انہوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ نے ان کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کر کے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی۔)

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِي اِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَءَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَكَانَ اَبِيْ يَقُوْلُ وَلَا اَعْلَمُهُ ذَكَرَهُ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ كَانَ يَقْرَءُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ اِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الصَّفَا قَرَءَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقٰى عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهُ وَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ اَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهُ فَقَالَ لَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ( ) لِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَصَابِعَهُ وَاحِدَةً فِي الْاُخْرٰى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ لَا بَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم (پورا سفر کر کے) رسول اللہ کے ساتھ بیت اللہ پر پہنچ گئے تو آپ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چوما، پھر آپ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

(اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو) پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دوگانہ طواف ادا کیا۔) حدیث کے راوی امام جعفر صادق بیان کرتے ہیں کہ: میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپ ﷺ نے قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کی قرأت کی۔ اس کے بعد آپ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام[1] کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آگیا، اس وقت آپ قبلہ کی رخ رخ کر کے کھڑے ہوگئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر اور تمجید میں مصروف ہوگئے۔ آپ ﷺ نے کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود مالک ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا، اسی نے شکست دی)...... آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ اس کے بعد آپ ﷺ اتر کر مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہنچے، آپ نے اپنے رفقاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا...... اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اسی طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا...... تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف و سعی انہوں نے کی ان کو عمرہ بنا دیں...... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے حکم ہے...... آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ: دَخَلَتْ

---

[1] یہ استلام سعی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام مسنون ہے۔

العمرة في الحج لأبد الأبد۔ (عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے)۔

تشریح ... آپ نے مروہ کے خاتمہ پر جو یہ بات فرمائی کہ "جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف و سعی کو عمرہ قرار دے دیں، اور میں بھی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا" ... اس کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں جو اعتقادی اور عملی غلطیاں رواج پا کر دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ جو أشهر الحج (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور من گھڑت تھی۔ رسول اللہ نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کو یہ بات بتادی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں افراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لئے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے (جس کو قران کہتے ہیں) ... آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابۂ کرام میں سے غالباً چند ہی نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا ... ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ نے دونوں کا احرام باندھا، یعنی (قران) اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنی قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے، اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے وہ اس وقت تک احرام ختم نہیں کر سکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کر دے۔ اس لئے رسول اللہ اور وہ صحابۂ کرام جو آپ کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ١٠ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آ سکتے تھے، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے ان کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جو جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بیخ کنی کے لئے اور دماغوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کے خلاف عمل کر کے دکھایا جائے، اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپ کے ساتھ طواف اور سعی کر چکے تھے، اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کے احرام ختم کر دیں اور حلال ہو جائیں اور حج کے لئے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں، اور خود آپ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کے آئے تھے اس لئے آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ: "اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا،

اور جو طواف و سعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کر دیتا (لیکن میں تو قربانی کے جانور لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں، اس لئے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ) آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف و سعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں"...... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ[1] بن مالک کھڑے ہو گئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے، یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ اشہر حج میں مستقل عمرہ کیا جا سکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرنے کیلئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: دخلت العمرة فی الحج۔ (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایام حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، اور اسکو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ ﷺ (فَوَجَدَ فَاطِمَةَ مِمَّنْ حَلَّ وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَاَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ اِنَّ اَبِىْ اَمَرَنِىْ بِهٰذَا) فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِىَ الْهَدْىَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْىِ الَّذِىْ قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِىْ اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِيُّ ﷺ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْىٌ:

ترجمہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے لئے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انہوں نے ان کے اس رویہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: مجھے ابا جان (رسول اللہ ﷺ) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے)...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت

---

[1] یہ وہی سراقہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرفتار کرنے اور ان کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کے قریب پہنچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو گھوڑی صحیح سالامت نکل آئی تھی اور یہ مکہ واپس لوٹ گئے تھے ۸ھ تک یہ مکہ معظمہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد عام اہل مکہ کی طرح انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انہوں نے عرض کیا کہ میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ اللّٰهُمَّ إِنِّي أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُكَ۔ (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول ﷺ نے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو ۔۔۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ ﷺ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آگے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کر وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف و سعی انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا۔ بس رسول اللہ ﷺ اور وہ حضرات حالت احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

تشریح ..... جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انہوں نے اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انہوں نے غالباً اس لئے کیا کہ منڈوانے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم۔

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنٰى فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا.

ترجمہ پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نمرہ میں نصب کیا جائے۔

نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کر عرفہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ (آپ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

تشریح ..... حج کی خاص نقل و حرکت کا سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یوم الترویہ" کہا جاتا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قران کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں..... رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو اپنی قربانیاں اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنہوں نے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا تھا ان سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہو گیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے قریباً ۶ میل اور مکہ سے قریباً ۹ میل ہے، اور یہ حدود حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے..... عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدود حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہل حرم" کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر ہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بناء پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے، لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرما دی تھی کہ: آپ کے قیام کے لئے خیمہ نمرہ میں[1] نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادی نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جا کر اترے، اور اس خیمہ میں قیام فرمایا:

حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِىْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَىْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَىَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِىْ بَنِىْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ وَرِبَا

[1] نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہو کر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا کہ اس کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر خدانہ کردہ وہ دیوار باہر کیجانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادی نمرہ میں گرے گی۔

الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَّاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَاعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ فَاتَّقُوااللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْ تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَايُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ؟ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاَصْبِعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادیٔ عرنہ) کے درمیان آئے، اور آپ نے اونٹنی کی پشت پر ہی سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: "لوگو! تمہارے خون اور تمہارا مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں، اپنے اس مقدس شہر میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو) ...... خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں اس کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانۂ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں معاف ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا بدلہ نہیں لے گا، اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے اور ان کو قبیلہ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا۔[1] (ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی بھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانۂ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں (اب وہ کسی سے اپنا سودی

[1] ربیعہ بن الحارث رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کا ایک شیر خوار بچہ، جس کو عرب کے دستور کے مطابق قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا، قبیلہ ہذیل کے آدمیوں کے ہاتھ سے بنی سعد اور ہذیل کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کو اس کا بدلہ لینے کا حق تھا، آپ ﷺ نے اس خطبہ میں اسی حق سے دستبرداری کا اعلان فرمایا تھا۔

مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے ..... اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اس کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں ..... لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سدباب کے لئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو) انکو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو ..... اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو ..... اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو ..... وہ ہے "کتاب اللہ" ..... اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟ ..... حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچادیئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ..... اس پر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: "اللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اللّٰهُمَّ اشْهَدْ!" یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچادیئے اور تیرے بندے اقرار کر رہے ہیں ..... اس کے بعد (آپ ﷺ کے حکم سے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

تشریح ..... یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد پہلے مندرجہ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی اور جو خطبہ آپ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا ..... جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ ﷺ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی ..... خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت ادا فرمائیں اور درمیان میں سنت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں ..... امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشاء اس دن مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہو گا .....

اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں ..... اس کی ایک حکمت تو یہی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے ..... اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشاء تک نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ ﷺ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیاتِ طیبہ کا سب سے اہم خطبہ کہا جا سکتا ہے — سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: "میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے، اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید" ..... اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرض وفات کے آخری دنوں میں جب کہ شدت مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھنے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے۔" اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھانا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انہوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا۔ حسبنا کتاب اللہ۔

ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرُبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّتِىْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِىْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّسِتِّيْنَ بُدْنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهٗ فِىْ هَدْيِهٖ ثُمَّ

اَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِىْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ اِنْزِعُوْا بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: پھر (جب آپ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ میدان عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رخ آپ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور اسامہ بن زید کو آپ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے قریباً تین میل ہے) یہاں پہنچ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشاء کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آ گیا، تو آپ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعر حرام کے پاس آئے (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آ کر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔ پھر طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادی محسر کے درمیان پہنچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے، پھر اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اس پر پھینک کر مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "خذف کے سنگریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کر مارے، اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما دیئے۔ ان سب کی قربانی انہوں نے کی اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے

لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کر پکائے گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جاکر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کے (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکن اعظم "وقوف عرفہ" ہے یعنی ۹ ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر وعصر کی نماز پڑھ کر میدان عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا..... ظہر وعصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب وعشاء آپ نے وہاں پہنچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا یہی اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ ﷺ نے عشاء سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجد یکسر ناغہ کیا، دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہنچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر وعصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، گویا فجر سے لے کر عشاء تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچنا، وہاں جا کر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منیٰ واپس آنا۔ بہر حال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پر مشقت تھا، اس لئے ان دو دنوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا۔ جسم اور جسمانی قوتوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے مجمعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے۔ یہ غالباً وہی تریسٹھ (۶۳) اونٹ تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس اونٹ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، تریسٹھ کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر

میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم۔

آپ نے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شوربا پیا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہو گئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت، قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کر لیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کر حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانہ قدیم سے آپ کے گھرانے بنی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہل خاندان ڈول کھینچ کھینچ کر لوگوں کو اس کا پانی پلا رہے تھے۔ آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں، لیکن آپ نے بالکل صحیح سوچا کہ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقاء بھی اس سعادت میں حصہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ نے اپنے اہل خاندان کی دلداری اور اظہار تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرما دیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرما دی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ:

نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنٰى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِىْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ. (رواه مسلم)

میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منیٰ کا سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہے اس لئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کر سکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں (پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے) اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (مشعر حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا مزدلفہ موقف ہے (اس کے جس حصے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

١٦٥) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً فِي حَجَّتِهِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

١٦٦) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَاۤ اُعْطِىَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام و انصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور جھولیں صدقہ کردوں اور قصاب کو (بطور اجرت اور حق المحنت کے) ان میں سے کوئی چیز نہ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ان کو اجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔

١٦٧) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (۱۰ ذی الحجہ کو صبح مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہنچ کر اس کی رمی کی۔ پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی داہنی جانب اس کے سامنے کی، اس نے اس جانب کے بال مونڈے۔ آپ ﷺ نے ابوطلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کردیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈو، اس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا، تو آپ نے وہ بال بھی ابوطلحہ ہی کے حوالے فرمادیئے اور ارشاد فرمایا کہ ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کردو۔

تشریح ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا مفصل حدیث رسول اللہ ﷺ کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں اور پھر بائیں جانب کے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے بال ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابوطلحہ آپ کے خاص محبین اور فدائیوں میں سے تھے۔ غزوۂ احد میں حضور ﷺ کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انہوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کرالیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں

آنے والے مہمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی ام سلیم (والدہ انس رضی اللہ عنہ) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں تقسیم کرائے..... یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بنیاد ہے۔ بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے جو "موئے مبارک" بتائے جاتے ہیں ان میں سے جن کے بارے میں قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے..... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے ان میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں..... لیکن قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ ﷺ کا "موئے مبارک" قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہ عظیم ہے، اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعہ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بد ترین جرم ہے۔

۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِىْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: "اللہ کی رحمت ہو ان پر جنہوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا۔" حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رحمت کی یہی دعا بال ترشوانے والوں کے لئے بھی فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ: "اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر۔" ان لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ: "اور ان لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے یہاں بال ترشوائے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن حج و عمرہ میں جو بال منڈوائے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عبدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے، اور اسی نیت سے منڈوانا یا ترشوانا چاہئے اور چونکہ عبدیت اور تذلل کا اظہار سر منڈوانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے، اور اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے دعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم۔

۱۶۹) عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِىُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ

وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِىْ بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَىُّ شَهْرٍ هٰذَا فَقُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اَىُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةُ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَىُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے (حجۃ الوداع) میں دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا: زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس اصلی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت تھا...... سال پورے بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں۔ تین مہینے تو مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا وہ رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلہ مضر زیادہ مانتا ہے ...... اس کے بعد آپ نے فرمایا: بتاؤ یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ: اللہ و رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا: کیا یہ "...." کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: بے شک یہ ذی الحجہ ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: بتاؤ یہ کونسا شہر ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ: اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کریں گے۔ (لیکن) آپ نے فرمایا: کیا یہ "...." نہیں ہے؟ (مکہ کے معروف ناموں میں ایک "...." تھا) ہم نے عرض کیا: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا آج "...." نہیں ہے۔ (یعنی ۱۰ ذی الحجہ جس میں قربانی کی جاتی ہے)۔ ہم نے عرض کیا: بے شک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں تم پر (یعنی کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ناحق کسی کا خون کرے، یا کسی کے مال پر یا اس کی آبرو پر دست درازی کرے۔ یہ سب تم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں جیسا کہ آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہیں)...... اس کے بعد آپ نے فرمایا: اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے پروردگار کے سامنے تمہاری پیشی ہو گی، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ دیکھو، میں

خبر دار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیام تم کو پہنچا دیا؟ سب نے عرض کیا: بے شک آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا)۔ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ! تو گواہ رہ۔) (اس کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا)۔ جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں (اور انہوں نے میری بات سنی ہے) وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے بات پہنچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں (اور وہ اس علم کی امانت کا حق ادا کرتے ہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... اس خطبہ نبوی ﷺ کے ابتدائی حصے میں زمانہ کے گھوم پھر کے اپنے اصلی ابتدائی ہیئت پر آ جانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کا ایک گمراہانہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سال تیرہ مہینے کا قرار دے دیتے تھے اور اس کے لئے ایک مہینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا انظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا، اس لئے حج جو ان کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا در اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا بلکہ جاہلیت کے پچاسوں اور سینکڑوں برس کے چکر کے بعد ایسا ہوا کہ ان اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا، اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے، اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ ﷺ نے خاص وصیت و ہدایت امت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا، اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہوگی ...... اسی خطبے کی بعض روایات میں "ضلالا" کے بجائے "كفارا" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویّہ ہوگا، اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اسلامی رویّہ کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ پر منکشف ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کامیاب ہوگا ...... وَكَانَ ذَالِكَ قَدَرًا مَقْدُوْرًا۔

حج کے اہم افعال و ارکان

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریباً سارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر واقعہ کی شکل میں آ چکا ہے، اب

الگ الگ اس کے اہم افعال وارکان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور آپ کا طرز عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف

مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کی بلد اللہ الحرام اور مرکز حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور احترام کے ساتھ ہو، اور اس کے بعد کعبہ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز ادب اور محبت کے ساتھ اس کے استلام سے کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے یہی سیکھا تھا۔

۱۷۰) **عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَايَقْدِمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِىْ طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّىَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَمِنْهَا مَرَّ بِذِىْ طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ ـ** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم نافع سے روایت ہے کہ: عبداللہ بن عمر جب بھی مکہ آتے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات ذی طویٰ میں گذارتے (جو مکہ کے قریب ایک بستی تھی) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی ذی طویٰ میں رات گذار کر صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور بھی یہی تھا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۷۱) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا......** (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے داہنی طرف طواف کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ہر طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے، استلام کا مطلب ہے حجر اسود کو چومنا یا اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ بس یہ استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رمل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ روایات میں ہے کہ ۷ھ میں جب رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ

معظمہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب و ہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دبلا پتلا کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا...... لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سنت قرار دے دیا گیا۔ اب یہی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

۱۷۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى یَنْظُرَ اِلَى الْبَیْتِ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَجَعَلَ یَذْكُرُ اللّٰهَ مَاشَاءَ وَیَدْعُوْ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجر اسود کے قریب پہنچ کر آپ نے اس کا استلام کیا، پھر آپ ﷺ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا آپ اللہ کے ذکر و دعا میں مشغول رہے۔

۱۷۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِیْرٍ یَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک خمدار چھڑی تھی اسی سے آپ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔

تشریح...... اوپر صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے طواف کے بارے میں یہ صریح الفاظ ہیں: ثم مشى على يمينه فرمل ثلاثا ومشى اربعا۔ آپ ﷺ حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد داہنی جانب کو چلے (اور طواف شروع کیا۔ پھر تین چکروں میں تو آپ نے رمل کیا اور چار چکر آپ نے اپنی عادی رفتار سے لگائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طواف اپنے پاؤں پر چل کر کیا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس راویت میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلا طواف پیادہ پا کیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دسویں ذی الحجہ

کو منیٰ سے مکہ آکر جو طواف کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کر سکیں، گویا آپ کی اونٹنی اس وقت آپ کیلئے منبر بنی ہوئی تھی، اور غالباً اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طواف کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۴) عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنِّىْ اَشْتَكِىْ فَقَالَ طُوْفِىْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّىْ اِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَءُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طواف کیسے کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو، تو میں نے اسی طرح طواف کیا، اور اس وقت رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔

۱۷۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِىِّ ﷺ لَانَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفٍ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِىُّ ﷺ وَاَنَا اَبْكِىْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذَالِكَ شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِىْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِىْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِىْ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس حج ہی کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے بالکل قریب) مقام سرف پر پہنچے (جہاں سے مکہ صرف ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہو گئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں ..... رسول اللہ ﷺ (خیمہ) میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تمہارے ماہواری ایام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! یہی بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کر دی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔

۱۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ. (رواه الترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی

طواف کی حالت میں کسی سے بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو و فضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو مکدر نہ کرے)۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

۱۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا (اَلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِىْ) كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَايَضَعُ قَدَمًا وَّلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: حجر اسود اور رکن یمانی ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہو گا۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... حدیث کے لفظ "مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا" کا ترجمہ ہم نے سات بار طواف کرنا کیا ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں: اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں۔) اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے انچاس چکر ہوں گے اور تیسرا احتمال ہے بلاناغہ سات دن طواف ...... لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

حجر اسود

۱۷۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ۔ (رواه الترمذى و ابن ماجه والدارمى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہو گی جس سے وہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہو گا ان کے حق میں سچی شہادت دے گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح ...... حجر اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن اس میں ایک روحانیت ہے اور وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ اس کو بلاواسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے اور اس کا استلام

کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ ان بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیاز مندانہ شان کے ساتھ اس کا استلام کرتے تھے۔

۱۷۹) **عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَاتَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُ مَاقَبَّلْتُكَ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لئے کہی کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، اور اس لئے اس کو چوما جارہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول کا حکم ہے — وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے، اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

طواف میں ذکر اور دعا

۱۸۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَابَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.** (رواه ابوداؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (طواف کی حالت میں) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (کی مسافت میں) یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ (سنن ابی داؤد)

۱۸۱) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا (يَعْنِى الركن اليمانى) فَمَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، قَالُوْا...... اٰمِين.** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرے کہ: اللهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنيا والاخرة ربنا اتنا فی الدنيا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ (اے

اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!)۔

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے، اگر یہ ایک لحظہ کے لئے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا، اور اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے دن، اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصے میں بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ حج کے دوسرے ارکان و مناسک طواف، سعی، رمی، جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے، لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اسکا کوئی تدارک نہیں ہے۔

۱۸۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدُّئَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ...... اَيَّامُ مِنًى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ...... (رواہ الترمذی، وابو داؤد، والنسائی، وابن ماجہ، والدارمی)

عبدالرحمٰن بن یعمر دئلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دارومدار ہے) وقوف عرفہ ہے۔ جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے حج پالیا اور اس کا حج ہو گیا... (یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کے بعد) منیٰ میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) اگر کوئی آدمی صرف دو دن میں یعنی (۱۱، ۱۲ کو رمی کر کے) جلدی منیٰ سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہر کے (۱۳ ذی الحجہ کی رمی کر کے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں)۔

تشریح..... چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دارومدار ہے اس لئے اس میں اتنی وسعت رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہنچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) وہ اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور وہ حج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک جمرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی دن مکہ جا کر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کر تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا مناسک میں سے ہے..... پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے، اور رمی کرلے، تو یہ بھی جائز ہے۔

۱۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَامِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ

مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهُ لَيَدْنُوْثُمَّ يُبَاهِىْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَااَرَادَ هٰـؤُلَاءِ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو (یعنی گناہ گار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا سب سے بڑے اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ میں ہوتا ہے) اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت و رافت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ: ماارادھؤلاء "دیکھتے ہو! میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ (صحیح مسلم)

۱۸۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا رَاَى الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرَ وَلَا اَدْحَرَ وَلَا اَحْقَرَ وَلَا اَغْيَظَ مِنْهُ فِىْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ. (رواه مالك مرسلاً)

ترجمہ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جل بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل و خوار روسیاہ اور جلا بھنا دیکھا جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن کی رحمت کو (موسلا دھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اس لعین کے لئے ناقابل برداشت ہے) (موطا امام مالک)

تشریح ... عرفات کے مبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں، محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں اور اس کے حضور میں اپنے اور دوسروں کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دعائیں اور آہ و زاری کرتے ہیں اور اس کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں تو لا محالہ ارحم الراحمین کی رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آجاتا ہے، اور پھر وہ اپنی شان کریمی کے مطابق گناہ گار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے رہائی و آزادی کے وہ عظیم فیصلے فرماتا ہے کہ شیطان بس جل بھن کے رہ جاتا ہے اور اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔

رمی جمرات

منیٰ میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو جمرات کہا جاتا ہے، ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے، دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں ظاہر بات ہے کہ کنکریاں پھینکنا بذات خود کوئی نیک عمل نہیں ہے، لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور بندگی یہی ہے کہ بے چوں و چرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے، علاوہ

ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اس کے جلال و جبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات و عادات اور نفسانی خواہشات و معصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سرور و انبساط اس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں...... بہر حال اللہ کے حکم سے اور اس کا حکم نام لے کر جمروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہل بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

۱۸۵) **عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْىُ الْجِمَارِ وَالسَّعْىُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاَقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ......** (رواه الترمذى والدارمى)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو و لعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں...... (جامع ترمذی، سنن دارمی)

۱۸۶) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَّاَمَّا بَعْدَ ذَالِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ......** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت فرمائی، اور اسکے بعد ایام تشریق میں جمرات کی رمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... یہی سنت ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی دوپہر سے پہلے کر لی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

۱۸۷) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُّكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِىْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمی کے لئے جمرہ کبریٰ کے پاس پہنچے، پھر اس طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) اس کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب۔ اس کے بعد انہوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ: اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ ﷺ جن پر اللہ نے حج کے احکام

نازل کئے تھے اسی طرح رمی کیا کرتے تھے۔

۱۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَرْمِىْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّىْ لَا اَدْرِىْ لَعَلِّىْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِىْ هٰذِهٖ - (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (۱۰ ذی الحجہ کو) اپنی ناقہ پر سے رمی کرتے ہوئے دیکھا، آپ اس وقت فرمار ہے تھے کہ تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی اور حج نہ کروں (اور پھر تمہیں اس کا موقع نہ ملے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... دسویں ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر مزدلفہ سے روانہ ہو کر منیٰ پہنچے تو اس دن آپ ﷺ نے ناقہ پر سوار ہونے ہی کی حالت میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی، تاکہ سب لوگ آپ کو رمی کرتا ہوا دیکھ کر رمی کا طریقہ سیکھ لیں اور آسانی سے مسائل اور مناسک پوچھ سکیں، لیکن دوسرے اور تیسرے دن آپ نے رمی پاپیادہ کی ..... بہر حال رمی سوار ہو کر بھی جائز ہے اور پاپیادہ بھی۔

یہ اشارہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے بار بار فرمایا کہ اہل ایمان مجھ سے مناسب اور دین و شریعت کے احکام سیکھ لیں، شاید اب اس دنیا میں میرا قیام بہت زیادہ نہیں ہے۔

۱۸۹) عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْمِىْ جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِى الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَاخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِىْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهٗ. (رواہ البخاری)

ترجمہ سالم بن عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رمی جمرات کے بارے میں ان کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے، اس کے بعد آگے نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دعا کرتے، پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، پھر آخری جمرہ (جمرۃ العقبہ) پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے اور اس جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے، اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد بغیر کھڑے ہونے اور دعا کئے واپس

ہو جاتے تھے، یہی سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی

قربانی کی عام فضیلت اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی عام ہدایات "کتاب الصلوٰۃ" میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹوں کی، اور آپ کے حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ۳۷ اونٹوں کی جو قربانی کی تھی، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے، یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

۱۹۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ (قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِىْ) قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَءُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے قربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ذی الحجہ کو کر لی جائے) اور کسی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ کی جاسکے تو ۱۱ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے تو ادا تو ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ ہاتھ نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قرط (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب و غریب مشاہدہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے اسی کو آپ ذبح کریں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں، بلکہ مٹی، پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کردے۔ یہ ۵، ۶ اونٹ جو قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب کئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرمادیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد ﷺ کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کتنی بڑی خوش بختی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔

همه آهوانِ صحرا سر خود نهاده بر کف
به اُمید آنکه روزے به شکار خواهی آمد

(۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَّفِىْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْئٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِىْ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذَالِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ —

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر) ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو (اس کا گوشت بس تین دن تک کھا سکتا ہے) تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنا چاہئے ... پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کیا ہم اس سال بھی ایسا کریں جیسا کہ گزشتہ سال آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں! اس سال تین دن والی وہ پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ جب تک چاہو) کھاؤ کھلاؤ اور محفوظ رکھو۔ گزشتہ سال وہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ عوام کو (غذا کی کمی اور تنگدستی کی وجہ سے) کھانے پینے کی تکلیف تھی اس لئے میں نے چاہا کہ قربانی کے گوشت سے تم ان کی پوری مدد کرو (اس لئے میں نے عارضی اور وقتی طور پر وہ حکم دیا تھا۔ اب جب کہ وہ ضرورت باقی نہیں رہی تمہارے لئے کھانے کھلانے اور محفوظ رکھنے کی پوری گنجائش ہے)۔ [illegible]

(۱۹۲) عَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَىْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاتَّجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرٍ لِلّٰهِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کر دی تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے۔ اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی اور فقر و فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ) اللہ کے کرم سے لوگ اب خوشحال ہیں، اس لئے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے، لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں، اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں ... یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں۔

تشریح: جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تحمید تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰــــہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْــــد

طواف زیارت اور طواف وداع

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملت ابراہیمی کا خاص شعار ہے..... اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے، اور دوگانہ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے..... حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی "طواف قدوم" ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے، اس کا معروف اصطلاحی نام "طواف زیارۃ" ہے۔ یہ وقوف عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے..... پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی کر کے واپس ہو، اور اس کے سفر حج کا آخری عمل بھی طواف ہی ہو، اس کا معروف اصلاحی نام طواف وداع اور طواف رخصت ہے..... ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے!

۱۹۳) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَرْمَلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْهِ.** (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکہ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوگی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو آپ ﷺ نے منیٰ سے مکہ معظمہ آکر طواف کیا اس میں آپ ﷺ نے رمل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے۔

۱۹۴) **عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ......**

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کو مؤخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر (عید الاضحیٰ) کا دن ہے،

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جا سکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی افضلیت کے لحاظ سے ۱۰ ذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہوگا..... عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے، لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، اسی بناء پر جو طواف ۱۰ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ ذی الحجہ ہی میں شمار ہوگا، اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ ذی الحجہ کی رات ہے۔

۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رخ پر چل دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرلے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طواف وداع معاف ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث میں صراحۃ مذکور ہے۔ پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرکے اور رمی جمرات وغیرہ وہاں کے مناسک ادا کرکے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے..... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ فقہاء نے طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے، البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں، وہ اگر طواف زیارت کر چکی ہوں تو بغیر طواف وداع کئے مکہ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں ..... ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا اس کا آخری عمل ہو۔

۱۹۶) عَنِ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ اٰخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ. (رواہ احمد)

ترجمہ حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری عمل طواف ہو۔ (مسند احمد)

۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَاَمَرَالنَّاسَ بِالرَّحِيْلِ قَالَتْ وَاَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے اور رسول اللہ ﷺ نے (منیٰ اور مکہ کے درمیان) مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طواف وداع کے لئے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔

تشریح ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ ﷺ منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ نے ابطح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدود حرم سے باہر تنعیم جا کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں۔ اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ ابطح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے سحر میں طواف وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دعا کرنا

خانہ کعبہ کی دیوار کا قریباً دو گز کا جو حصہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چمٹ کر دعا کی جائے۔ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا:

۱۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَرَاَيْتُ قَوْمًا اِلْتَزَمُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنْطَلِقْ بِنَا نَلْتَزِمُ الْبَيْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهٖ اِلْتَزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَيْتِ وَالْحَجَرِ وَقَالَ هٰذَا وَاللّٰهِ الْمَكَانُ الَّذِيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلْتَزَمَهٗ. (رواه البيهقي بهذا اللفظ)

ترجمہ عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چمٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں

لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چمٹ جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب غالباً یہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چمٹ جاؤں تو یہ خلاف سنت اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں..... شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہوگئے تو دیوار کعبہ کے خاص اس حصہ پر آئے جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا: خدا کی قسم! یہی وہ جگہ ہی جس سے رسول اللہ ﷺ چمٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چمٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پہ رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چمٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہئے اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ بس انہی کا حصہ ہے اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائل حرمین

محدثین کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمین پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں، اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جارہی ہیں۔

حرم مکہ کی عظمت

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے، گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب واحکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب واحترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے۔ مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب واحترام کے خلاف گناہ گارانہ جسارت قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقہ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے معین کی تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم ومعروف ہیں، گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب واحترام ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا..... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے:۔

۱۹۹) عَنْ عَبَّاس بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ الْمَخْزُوْمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَیْرٍ مَاعَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِیْمِهَا فَاِذَا ضَیَّعُوْا ذَالِكَ هَلَكُوْا۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت وتعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... گویا بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقہ حرم کی تعظیم وحرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی، اور جب امت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانہ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت وتعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آجائے گی تو پھر یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمایت ونگہبانی کا استحقاق کھودے گی،

اور اس کے نتیجہ میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سہولتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دنیا کے جو مسلمان آتے ہیں ان کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرم مقدس کے ادب و احترام کے لحاظ سے امت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آگئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جس کی وجہ سے امت مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نگہبانی سے محروم کردی گئی ہے۔ [illegible] واعف عنا واغفر لنا وارحمنا وعاملنا بما انت اهله ولا تعاملنا بما نحن اهله۔

۲۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَاهِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ فَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَايُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخَرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخَرَ...... (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے، اور نیت! تو جب تم سے راہ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو چل دو.... اور اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ: یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکہ معظمہ آباد ہے، اور اس کے آس پاس کے علاقہ حرام کو واجب الاحترام قرار دیا، لہٰذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہوجانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف ہو حرام ہے، اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے، اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی اکھاڑی جائے.... (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کیلئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرمادیا۔ [illegible]

تشریح ... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے دو اعلانوں کا ذکر ہے، جو آپ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے .... پہلا اعلان یہ تھا کہ: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا...... اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر ان اہل کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھا، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گذارنا گویا ناممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہر حال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی..... لیکن جب ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کرادیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ ﷺ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرمادیا کہ: اب ہجرت کا وہ حکم اٹھالیا گیا..... اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہوگی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے..... ان کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہجرت کی فضیلت و سعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی عزم و آمادگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: یہ شہر جس کی عظمت و حرمت دور قدیم سے مسلم چلی آرہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچایت کی تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور پر بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور وہ بھی وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے..... جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا..... قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَايَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جمہور علماء امت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ اور حدود حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں، یہ اس مقام مقدس کے ادب و احترام کے

خلاف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو ہتھیار ہاتھ میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۲۰۲) عَنْ اَبِىْ شُرَيْحٍ الْعَدَوِىِّ اَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِوبْنِ سَعِيْدٍ وَّهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلَى مَكَّةَ اِئْذَنْ لِىْ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَاىَ وَوَعَاهُ قَلْبِىْ وَاَبْصَرَتْهُ عَيْنَاىَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِاِمْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَادَمًا وَّلَا يَعْضِدُبِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِىْ فِيْهَا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِوَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِىْ شُرَيْحٍ مَاقَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذَالِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ...... (رواه البخارى و مسلم)

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا، جب کہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف) مکہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کر کے روانہ کر رہا تھا کہ اے امیر! مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بیان کروں جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ ﷺ کا وہ فرمان خود سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ مکہ اور اس کے ماحول کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے، اس لئے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے بلکہ یہاں کے درختوں کا کاٹنا بھی منع ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے (اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنہوں نے میری یہ بات سنی ہے، وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں (اس لئے اے امیر! میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ کا یہ فرمان تم کو پہنچایا ہے) ابو شریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا، انہوں نے بتایا کہ اس نے کہا کہ ابو شریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کرے یا کوئی نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔

تشریح..... اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا مروڑا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابو شریح عدوی جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، انہوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بروقت کلمہ حق کہہ کے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا کر اپنا فرض ادا کر دیا..... صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جو بات کہی، ابو شریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن مسند احمد کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

قَدْ كُنْتَ شَاهِدًا وَّكُنْتَ غَائِبًا وَقَدْ اَمَرَنَا اَنْ يُّبَلِّغَ شَاهِدُنَا غَائِبَنَا وَقَدْ بَلَّغْتُكَ [1]

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہے وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں..... میں نے اس حکم نبوی ﷺ کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہنچادی۔

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مقصد و منشاء سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی، اور جنہوں نے موقع پر حضور ﷺ سے یہ بات سنی۔

۲۰۳) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنِّيْ اُخْرِجْتُ مِنْكَ مَاخَرَجْتُ......** (رواه الترمذی وابن ماجه)

ترجمہ۔ عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مکہ میں حزورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے: خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے، اور اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کے نہ جاتا۔ ([illegible])

تشریح..... اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے افضل اور باعظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے، کیونکہ اس میں کعبۃ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے..... اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے:

۲۰۴) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْ لَا اَنَّ**

[1] فتح الباری کتاب المناسک، باب لا یعضد شجر الحرام۔ الخ

قَوْمِىْ اَخْرَجُوْنِىْ مِنْكَ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بستا۔ [illegible]

تشریح ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبداللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات فتح مکہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ "باب فضل مکہ" کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت و فضیلت کی حدیثیں، اور اسی کے ساتھ "باب فضل المدینہ" کے تحت مدینہ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکہ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینہ طیبہ سے متعلق درج کی جا رہی ہیں۔

۲۰۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح طابہ، طیبہ اور طیبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کر دیا، اس میں روحوں کے لئے جو خوشگواری، جو سکون و اطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

۲۰۶) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَّاِنِّىْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَّا بَيْنَ مَا زِمَيْهَا اَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَّلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ وَلَا يُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ – (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے حرم ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب و احکام بتائے تھے) اور میں مدینہ کے حرم قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان پورا رقبہ واجب الاحترام ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے

جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، مدینہ طیبہ بھی سرکاری علاقہ کی طرح واجب الاحترام ہے، اور وہاں ہر وہ عمل اور اقدام منع ہے جو اس کی عظمت و حرمت کے خلاف ہو، لیکن اس کے احکام بالکل وہ نہیں ہیں جو حرم مکہ کے ہیں۔ خود اسی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے، اس میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتے توڑنے اور جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ حرم مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

۲۰۷) **عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَاوَائِهَا وَجَهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حرم قرار دیتا ہوں مدینہ کے دونوں طرف کے سنگتانی کناروں کے درمیان کے علاقہ کو (یعنی اس کے واجب الاحترام ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ) اس کے خاردار درخت کاٹے نہ جائیں اور اس میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے..... اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ (بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود) مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے، اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانتے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑتے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدینہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... سفارش اس کی کہ اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں تکلیفوں پر صبر کئے ہوئے مدینہ ہی میں پڑا رہا۔

۲۰۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَايَصْبِرُ عَلٰى لَاوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت اور سفارش کروں گا۔ (صحیح مسلم)

۲۰۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْ اَوَّلَ الثَّمْرَةِ جَاؤُا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّیْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَادَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهٗ فَيُعْطِيَهٗ ذَالِكَ الثَّمَرَ......** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرما کر اس طرح دعا فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت دے! الٰہی! ابراہیم تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی ہی مزید ... پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ نیا پھل اس کو دے دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو اور فصل بھر پور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو...... اور صاع اور مد دو پیمانے ہیں۔ اس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں ہی سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاع ایک مد جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے اس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنی بیوی بچے کو مکہ کی غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں بسا کر اللہ سے ان کے لئے کی تھی کہ: "اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و مودت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہنچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مقدر فرما!"

رسول اللہ ﷺ بطور نظیر اس ابراہیمی دعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے...... اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان سب کو مدینہ طیبہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تواضع اور کسر نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو عطا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے مواقعوں پر چھوٹے معصوم بچوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کمسن بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

۲۱۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِی الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا**

يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک صاف کر دیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے ہوں گے۔

۲۱۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَايَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَاالدَّجَّالُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... صحیحین ہی کی بعض دوسری حدیثوں میں مدینہ طیبہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی بھی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ دجال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ غالباً ان دعاؤں کی برکات میں سے ہے جو اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے ان دونوں مقدس و مبارک شہروں کے لئے کی تھیں۔

۲۱۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّىْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے، اور) مدینہ میں مرے۔ میں ان لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے، کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تاہم بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کر پڑ جائے، اگر قضا و قدر کا فیصلہ خلاف نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی ..... بہر حال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے لئے اپنے امکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

۲۱۳) عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ جَالِسًا وَّقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِى الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِئْسَ مَاقُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ لَمْ اُرِدْ

هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَامِثْلَ الْقَتْلِ فَقَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَىَّ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْرِىْ فِيْهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواہ مالک مرسلاً)

یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے، اور (کسی میت کی) قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آرام گاہ نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا: یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی۔ (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ آرام گاہ اچھی نہیں)۔ ان صاحب نے (بطور معذرت) عرض کیا، حضور میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے، اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ نے فرمایا: راہ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بے شک بلند ہے، لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (موطا امام مالک)

تشریح ..... رسول اللہ کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بے شک مسلم ہے اور بستر پر مرنا اور میدان جہاد میں اللہ کے لئے سر کٹانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ شَهَادَةً فِىْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِىْ فِىْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"

اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!

اس دعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے کہا:

اَنّٰى لِىْ بِالشَّهَادَةِ وَاَنَا بَيْنَ ظَهْرَانَىْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ لَسْتُ اَغْزُوْ وَالنَّاسُ حَوْلِىْ

مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب ہو سکتی ہے جب کہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان مقیم ہوں (اور وہ سب دارالاسلام بن چکا) اور میں خود جہاد نہیں کرتا، اور اللہ کے بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا:

بَلٰى يَاْتِىْ بِهَا اللّٰهُ اِنْ شَآءَ. (فتح الباری بحواله ابن سعد)

مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہو سکتی، اگر اللہ چاہے تو انہی حالات میں مجھے شہادت سے نوازے گا۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي في بلد رسولك آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور موت مدینہ میں بھی ہو؟" آپ نے فرمایا: "اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہو جائیں گی۔"

اس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دعا سے تعجب ہوا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں۔ جب ابولؤلؤ نے مسجد نبوی ﷺ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دعا کی قبولیت اسطرح مقدر تھی۔

بے شک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں۔ ان الله على كل شئ قدير

مسجد نبوی ﷺ کی عظمت وفضیلت

مسجد نبوی ﷺ جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپ ﷺ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ ﷺ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت وارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے ماسوا دنیا کے سارے معبدوں پر عظمت وفضیلت بخشی ہے صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

۲۱۴) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةٌ فِىْ مَسْجِدِىْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں (یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں) ایک نماز، دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ کی نماز کو مکہ معظمہ کی مسجد حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کے درجہ سے یہ حدیث ساکت ہے، مگر دوسری مندرجہ ذیل

حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

(۲۱۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَصَلٰوةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِأَةِ صَلٰوةٍ فِيْ هٰذَا.** (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔ (مسند احمد)

تشریح ... اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابلہ میں مسجد نبوی ﷺ میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی ﷺ کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے، یعنی عام مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

(۲۱۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا تَفُوْتُهُ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ.** (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے لکھ دی جائے گی نجات اور برات دوزخ سے اور اسی طرح برات نفاق سے۔ (مسند احمد، معجم اوسط للطبرانی)

تشریح ... بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے، اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور چھٹی ہے۔

(۲۱۷) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ.** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... مسجد نبوی ﷺ میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ ﷺ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ ﷺ کے حجرۂ شریفہ کے درمیان جو قطعہ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے

اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعہ ارض میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ میں آ گیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے" اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہنچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اس منبر پر جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پلاؤں گا، پس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آب کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

۲۱۸) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَ مَسْجِدِىْ هٰذَا.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی ﷺ)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ ان کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، لیکن دوسرے جائز دنیوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضۂ مطہرہ

اگرچہ روضۂ اقدس نبوی ﷺ کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آ رہا ہے کہ خاص کر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضۂ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارت نبوی ﷺ کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں۔ اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارت نبوی ﷺ ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

۲۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِىْ بَعْدَ مَوْتِىْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِىْ فِىْ حَيَاتِىْ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان والطبرانى فى الكبير والاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

[illegible]

تشریح: ... رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ ﷺ کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۲۲۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ...... (رواه ابن خزيمه فى صحيحه والدارقطنى والبيهقى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی [illegible]

تشریح: ... اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی جلد اول میں وہ حدیثیں درج ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امتی کو رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتی کہ اپنے ماں باپ، اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی ... اور روضۂ اقدس نبوی ﷺ کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے۔ ❶

امر علی الدیار دیار لیلی ... اقبل ذا الجدار و ذالجدارا
و ما حب الدیار شغفن قلبی ... و لکن حب من سکن الدیارا

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مؤمن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوار نبوی ﷺ کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جو لہریں اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبوی ﷺ کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے

❶ میں جب اپنی محبوبہ لیلی کی بستی سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، اور دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو دیوانہ نہیں بنایا بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں۔

جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبوی بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضہ اقدس نبوی کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبوی نصیب ہو گی۔ ہاں اگر بد نصیبی سے کوئی ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اسکا قلب دولت ایمانی سے خالی ہے پھر اسکی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورت زیارت ہے، اور اللہ اور اسکے رسول کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات و مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر اسکو پیش نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کی لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے [1] لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مربوط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہن سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحب قبر کی ذات اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحب ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارت روضۂ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "آپ حج کیسے کریں؟" میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ بڑی روحانی لذتیں پائیں گے۔

"معارف الحدیث" (جلد چہارم) زیارت نبوی کے اس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فللہ الحمد وعلی رسولہ الصلوٰۃ والسلام

[1] شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں (جو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی حدیث ہے ۔ پھر شیخ سبکی نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبداللہ عبدالہادی حنبلی نے کے جواب میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کر کے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت از قبیلہ قربات و مستحبات اور موجب برکات ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخ پر افترا کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابن تیمیہ کے مناسک کے حوالہ سے زیارت نبوی کے پورے آداب اور محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے، جو حافظ ابن تیمیہ نے زائرین ہی کے لئے لکھا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبی کی معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاری نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

وله طرق و شواهد حسنه الذهبي لاجلها (شرح شفا ملا علی قاری ص ۱۴۹۔ جلد ۲)

اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔